جلد ۷۹ | مئی، جون ۱۹۹۵ء | شمارہ ۔ ۳

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے
پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

www.aaiil.org

اخبار کے تراشے

حضرت مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو خراج تحسین

"اگرچہ ہندوستان و پاکستان کے متعدد علماء نے قرآن مجید کے ترجمے کئے ہیں۔ اس پر حواشی لکھے ہیں اور اس کی تفسیریں بھی لکھی ہیں مگر یہ امتیاز، محمد علی، صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے بعد سے اب تک صرف مولانا عبدالماجد دریا بادی (۱۸۹۲ - ۱۹۷۷) ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے انگریزی و اردو دونوں زبانوں میں ترجمہ بھی کیا اور مکمل تفسیر بھی لکھی۔ نیز مولانا نے بائبل کی زبان میں ایک علیحدہ ترجمہ کیا اور ترجمہ میں اس کا خاص التزام کیا کہ کوئی لفظ بلکہ حرف بلا ترجمہ نہ رہ جاتے اور عربی لفظ کے مقابل ہی انگریزی لفظ ہو۔ تفسیر میں خصوصیت کے ساتھ ان اعتراضات و شبہات کا محققانہ و تسلی بخش جواب دیا جو غیر مسلم خصوصاً مسیحی ارباب علم و دانش اور جدید تعلیم یافتہ و تجدد زدہ مسلمانوں کے دل میں قرآن مجید اور اس کی تعلیمات اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و کارنامہائے حیات کے بارہ میں پیدا ہوتے رہتے تھے اور اس کا اظہار ان کی زبان و قلم سے ہوتا رہتا تھا۔

قرآن مجید کے انگریزی ترجمے متعدد یورپین مسیحیوں نے کئے ہیں جن میں جارج سیل اور راڈول کے ترجمے بہت قدیم ہیں اور آربری اور بیل کے ترجمے بعد کے ہیں۔ جارج سیل اور راڈول نے آیات قرآنی پر حواشی بھی دیتے ہیں لیکن وہ ان کے عقائد و افکار کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان میں جا بجا اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذات گرامی پر حملے کئے گئے ہیں نیز بعض مقامات پر اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ اور مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ مولانا نے ڈاکٹر بیل کے ترجمہ اور ڈاکٹر وھری کی Commentary on the Qur'an کا اپنے دیباچہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہوتے لکھا ہے کہ:-

"To Dr. Bell, the latest of English translators, my debt is specially great... I have also largely drawn upon Wherey's Commentary and, in a lesser degree, upon Abdullah Yusuf Ali's".

محمد علی لاہوری نے جو انگریزی ترجمہ قرآن مجید حواشی کے ساتھ کیا تھا وہ ایک زمانہ میں کافی مقبول رہا کیونکہ اس وقت ہندوستانی مسلمان کا کیا ہوا کوئی اور قابل ذکر ترجمہ موجود نہ تھا بجز مرزا ابوالفضل کے ایک ترجمہ کے جو بغیر اصلی عربی عبارت کے تھا اور نہ صرف یہ کہ گمنام رہا بلکہ عقائد اسلام کی عجیب اور دور از کار تشریحوں کی بنا پر کافی بدنام بھی رہا۔ مولانا نے اپنے دور الحاد میں محمد علی لاہوری کے ترجمہ کا بغور مطالعہ کیا اور اس سے ان کو کافی نفع بھی پہنچا اور جن کتابوں کا مطالعہ ان کو الحاد سے اسلام کی طرف لایا اس میں اس ترجمہ کو بھی خاص دخل تھا۔ مترجم کے اس احسان کو مولانا نے ہمیشہ یاد رکھا اور اپنی تحریروں میں متعدد بار اس کا ذکر بھی کیا۔"

—— (پروفیسر محمد اقبال انصاری، سابق صدر شعبہ اسلامیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، (علی گڑھ) ماہنامہ، فاران، لاہور جنوری ۱۹۹۰)

جناب یحییٰ بختیار صاحب، سابق اٹارنی جنرل پاکستان، سے منیر احمد منیر، مدیر "آتش فشاں" کے انٹرویو سے اقتباس

"س ---- چودھری ظفر اللہ خاں نے "آتش فشاں" کو ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ "بھٹو صاحب نے ۱۹۷۳ء کے آئین کا مسودہ یحییٰ بختیار کے ہاتھ مجھے نظر ثانی کے لیے لندن بھیجا"۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سیاسی اتار چڑھاؤ")۔

ج ---- میں خود گیا تھا۔ چودھری صاحب سے میرے اچھے مراسم تھے۔ میں انٹرنیشنل کورٹ جاتا تھا کیس کرنے کے لیے پاکستان کی

طرف سے۔ پہلے ہمارا انڈیا سے جھگڑا تھا۔ ہمارے جہاز ایسٹ پاکستان جارہے تھے۔ اوور فلائٹس۔ انڈین علاقے میں نہیں جا سکتے تھے۔ ان کا جھگڑا تھا۔ بھٹو صاحب نے مجھے بھیجا حالانکہ لاء سیکرٹری وغیرہ چاہتے تھے کہ کوئی اور وکیل جاتے۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ اٹارنی جنرل جاتے گا۔ ہم گئے انٹرنیشنل کورٹ میں۔ ہمارے حق میں فیصلہ ہوا۔

س ۔۔۔ چودھری صاحب نے ۷۳ء کے آئین پر نظر ثانی کی تھی؟

ج ۔۔۔ حفیظ پیرزادہ لاء منسٹر تھے اور بحیثیت لا منسٹر وہ کانسٹی ٹیوشن ڈرافٹنگ کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ میں اس کمیٹی کا ممبر تھا۔ شاہ احمد نورانی تھے۔ اور بھی تھے۔ میں کیسز وغیرہ میں لگا رہتا تھا۔ کبھی انٹرنیشنل کورٹ میں ایک کیس کرو کبھی دوسرا کیس کرو۔ کبھی ہائی کورٹ میں، کبھی سپریم کورٹ میں۔ تو میں باقاعدگی کے ساتھ ڈرافٹنگ کمیٹی میں نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ مسودہ تیار ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی زبان میں کچھ تشنگی ہے۔ ہمارے پاس کوئی ڈرافٹس مین نہیں تھا۔ پہلے کانسٹی ٹیوشن بنا تھا ۵۶ء میں۔ اس سے پہلے ڈریٹن (Drayton) کو رکھا تھا ایکسپرٹ۔ بڑا مشہور تھا۔ ڈرافٹس مین تھا۔ آسٹریلیا کا تھا یا کہاں کا تھا۔ وہ مشورہ دیتا تھا۔ پھر جینکن بڑے مشہور تھے۔ انہوں نے سری لنکا کا بھی آئین بنایا تھا۔ پھر وہ ایڈوائزر بنے۔ وہ زبان کو پالش کرتے تھے۔

س ۔۔۔ ان دونوں کی خدمات ۵۶ء کے آئین کے لیے حاصل کی گئیں؟

ج ۔۔۔ خواجہ صاحب (خواجہ ناظم الدینؒ) کا ۵۴ء کا آئین جو بن نہیں سکا تھا۔

س ۔۔۔ نافذ نہیں ہو سکا تھا۔

ج ۔۔۔ تب ڈریٹن تھے۔ جینکن ایڈوائزر تھے ۵۶ء میں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔

س ۔۔۔ آپ نے دیکھا کہ ۷۳ء کے آئینی مسودے کی زبان میں کچھ تشنگی ہے۔

ج ۔۔۔ میں نے کہا کہ اس میں زبان کو پالش کرنے کی ضرورت ہے۔ کہتے ہیں، کیا کریں۔ میں نے (بھٹو صاحب سے) کہا ظفر اللہ خاں اچھے ایکسپرٹ ہیں۔ ان کی زبان اچھی ہے۔ ان کا تجربہ بھی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں جا کے انہیں دکھا دیتا ہوں کہ وہ ٹھیک کریں، تبدیل کریں یا مشورہ دیں۔ انہوں نے کہا، ٹھیک ہے۔ وہ اس وقت انٹرنیشنل کورٹ چھوڑ چکے تھے۔ میں گیا۔ میں ان سے ملا۔ انہوں نے دیکھا اس کو۔ پھر ہم اکٹھے بیٹھے ایک دن۔ تین نشستیں کیں ہم نے۔ انہوں نے کچھ تجویزیں بھی دیں وہ ٹھیک تھیں۔ ٹھیک ہے میں ان کے پاس (لندن) گیا تھا۔

س ۔۔۔ آئین میں کسی خاص تبدیلی کے لیے نہیں۔

ج۔ پالیسی کی بات نہیں تھی۔ صرف زبان کی درستی کے لیے۔

س ۔۔۔ تاکہ زبان کانسٹی ٹیوشن ہو جاتے۔

ج ۔۔۔ زبان کانسٹی ٹیوشن ہو جاتے۔

س ۔۔۔ ان کی تجاویز کیا تھیں؟

ج ۔۔۔ تجاویز نہیں تھیں۔ لکھا ہوا تھا، غیر مسلم، قادیانی ہیڈ آف دی سٹیٹ نہیں بن سکتا۔ پرائم منسٹر نہیں بن سکتا۔ یہ ہم نے شامل کیا تھا اس میں۔ یہ میری تجویز تھی۔ ڈرافٹنگ کمیٹی کی میٹنگ تھی۔ بھٹو صاحب پریذائیڈ کر رہے تھے۔ کہنے لگے، گڑبڑ ہو گئی ہے۔ یہ فیصلہ تو ہو چکا تھا کہ پریذیڈنٹ مسلمان ہو گا۔ اس وقت پریذیڈنٹ کی بات ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس وقت صدارتی تھا۔ وہ کہہ رہے تھے، نورانی صاحب، مفتی محمود کہ مسلمان کی تعریف بھی تو کرو نا۔ کل کو کوئی قادیانی بیٹھ جاتے گا۔ ہیڈ آف دی سٹیٹ ہو جاتے گا۔ تو اس میں گڑبڑ ہو گئی کہ کیا تعریف ہو؟ قیوم خاں مخالفت کر رہے تھے۔ جے اے رحیم مخالفت کر رہے تھے۔ بھٹو صاحب مجھے کہنے لگے کہ پھنسے ہوتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا، ایک

آدمی ہے جس کا سارا مسئلہ ہے۔ آپ کانسٹی ٹیوشن میں ڈیکلریشن ڈال رہے ہیں۔ اس کی بجائے اس کی قسم میں ڈال دیں۔ جو حلف اٹھاتا ہے اس میں ڈال دیں کہ میں مسلمان ہوں وغیرہ۔ سب ایگری کر گئے کہ ٹھیک ہے۔ یہ میں نے تجویز دی تھی۔ اس کے بعد یہ کر دیا گیا کہ (صدر) مسلمان ہو گا۔ ختم نبوت پر اس کا عقیدہ ہو گا۔ یہ اور وہ۔ پرائم منسٹر کا رکھ دیا بعد میں۔

س ... چودھری صاحب نے اس پر کیا کہا؟

ج ... چودھری صاحب نے دیکھا اس کو۔ کہتے ہیں یار تم کیا باتیں کرتے ہو۔ میں اس کے باوجود قسم لے سکتا ہوں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں قسم کے لیے تیار ہوں۔ ہم تو نہیں کہتے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین نہیں تھے۔ ہم تو مانتے ہیں۔ وہ (مرزائی) تو اور Twist (معنی) دیتے ہیں نا اس کو۔

س ... کوئی خاص تجاویز نہیں دیں؟

ج ... زبان کی بات تھی۔ ٹیکنیکل بات تھی۔ تیار ہو چکا تھا۔ صرف اس کو پالش کرنا تھا۔

س ... مشہور ہے کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دلوانے میں شاہ فیصل کا بھی دباؤ تھا۔

ج ... مجھے نہیں پتہ۔

س ... اقلیت قرار دینے کے سلسلے میں بھٹو صاحب کے حوالے سے چودھری صاحب راوی ہیں: " یوں تو انہوں نے حضرت صاحب کو ایک دفعہ ملاقات کے لیے بلایا اور باتوں کے دوران ادھر ادھر دیکھا اور کہا، کہ یہاں قرآن کریم نہیں ورنہ میں قرآن کریم ہاتھ میں لے کر قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہوں"۔ (بحوالہ "سیاسی اتار چڑھاؤ")۔

ج ... ویسے بھٹو صاحب نہیں چاہتے تھے۔

س ... بھٹو صاحب مرزائیوں کو اقلیت قرار دینا نہیں چاہتے تھے۔

ج ... نہیں۔

س ... پھر کیوں اقلیت قرار دے دیا۔

ج ... انہوں نے کہا تھا کہ پہلے ہماری بات سنیں۔ ہمیں موقع دیں۔ پھر یہ ہوا کہ مولوی سوال پوچھیں گے تو بے عزتی کریں گے۔ جے اے رحیم نے کہا کہ اٹارنی جنرل کے ذریعے سوال پوچھیں۔ یہ فیصلہ ہوا۔ میں نے مرزا ناصر احمد پر جرح کی۔ جرح ختم ہوئی۔ میں اسمبلی میں اختتامی تقریر کر رہا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس کا خلاصہ بتا رہا تھا ہاؤس کو۔ کہ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ صاحبزادہ فاروق علی خاں سپیکر تھے۔ دو دفعہ میرے پاس چٹ آئی کہ پرائم منسٹر بلا رہے ہیں۔ وہ راولپنڈی میں تھے۔ میں اسلام آباد میں تھا۔ بھاگا وہاں گیا۔ کوثر نیازی بیٹھا تھا۔ مصطفےٰ صادق بیٹھا تھا۔ بیگم بھٹو بیٹھی تھیں۔ بیگم بھٹو نے کہا کہ آج آپ انہیں اقلیت قرار دے رہے ہیں کل آپ شیعہ کو بھی بنائیں گے۔ یہ تو پھر سلسلہ چلتا ہی رہے گا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ بھٹو صاحب کہتے ہیں، میری بیوی ناراض ہے۔ انہیں (مرزائیوں کو) چھوڑ دیں۔ میں نے کہا، میں کیسے چھوڑوں۔ آپ نے مجھے پھنسایا۔ میں تو نہیں بنانا چاہتا ان کو میناریٹی۔ آپ ہی نے میرے ذمے یہ کام لگایا تھا کہ آپ ہی ان سے سوال پوچھیں۔ اب پوزیشن یہ ہے کہ کوئی بھی ہو ان کو اقلیت قرار دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ مرزا صاحب (مرزا ناصر احمد) نے بات ہی ایسی کہہ دی ہے۔ بھٹو صاحب کہنے لگے، مرزا صاحب میرے پاس آتے تھے کہ اٹارنی جنرل کو روکو مجھ سے سوال نہ پوچھے، چھ سات دن گزر گئے۔ بھٹو صاحب کہتے ہیں میں نے ان سے پوچھا کیا بات ہوئی۔ مرزا صاحب نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا، کیا غلطی ہوئی آپ سے۔ کہنے لگے، میں کوئی بات کہہ چکا ہوں۔ میں نے انہیں کہا کہ میں اسے (اٹارنی جنرل کو) کہہ دیتا ہوں کہ پھر پوچھ لے۔ کہنے لگے نہیں میں نہیں کر سکتا۔ میں نے پوچھا، کیوں نہیں کر سکتے۔ کہتے ہیں، میرے عقیدے کی بات ہے۔

س ... کیا غلطی ہو گئی ان سے؟

ج ... انہوں نے خطبے میں کہا تھا کہ اگر میں کہوں کہ میں مسلمان ہوں تو مولانا مودودی، مفتی محمود یا بھٹو کو یہ حق نہیں پہنچتا کہیں کہ

میں مسلمان نہیں ہوں۔ انہوں نے اس کی کاپیاں انگریزی میں ٹرانسلیٹ کر کے دی تھیں آ گئے۔ میں نے کہا، آپ نے یہ بات کہی ہے۔ کہتے ہیں، ہاں میں نے یہ بات کہی ہے۔ غلط کہی ہے؟ میں نے کہا نہیں بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ اگر آپ کہیں کہ بھٹو صاحب، مفتی محمود اور مولانا مودودی مسلمان نہیں ہیں تو ان کو بھی حق ہے کہ کہیں کہ آپ مسلمان نہیں ہیں۔ کہتے ہیں، ہاں۔ میں نے کہا، میں آپ کی بات کر رہا ہوں۔ سوچ میں پڑ گئے۔ کہنے لگے ہاں۔ میں نے کہا Sorry یہ بات آپ نے کہی ہے۔ مرزا بشیر احمد جو کہ آپ کے، مرزا ناصر احمد کے، چچا ہیں اور مرزا بشیر الدین محمود جو تھے نا، ان کے چھوٹے بھائی۔ ایم ایم احمد کے والد۔ انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے کہ جو موسیٰؑ کو مانتا ہے عیسیٰؑ کو نہیں مانتا۔ جو عیسیٰؑ کو مانتا ہے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں مانتا۔ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مانتا ہے مسیح موعود کو نہیں مانتا۔ جو مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ پکا کافر ہے۔ میں نے کہا، آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، ہاں۔ میں نے کہا، میں نہیں مانتا۔ مفتی محمود نہیں مانتے کہ نبی ہیں مرزا صاحب۔ مولانا مودودی، مفتی محمود اور بھٹو آپ کے پوائنٹ آف ویو سے سب کافر ہو گئے۔ اگر وہ کافر ہیں تو آپ انہیں کافر کہتے ہیں یا مسلمان کہیں گے۔ پھنس گئے۔ کہنے لگے، ہاں۔ میں نے کہا، دائرہ اسلام ہے۔ اس سے باہر کون ہے۔ اندر کون ہے۔ حقیقی مسلمان کی انہوں نے تعریف کی تھی گیارہ بارہ صفحات کی کہ کیا ہے حقیقی مسلمان۔ میں نے کہا، حقیقی مسلمان آپ کے نزدیک یہ ہے۔ آج کل حقیقی مسلمان نہیں ہے آپ کے زمانے میں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنے گزرے؟ کہنے لگے بہت۔ بہت ہیں۔ میں نے کہا، کتنے ہیں؟ پانچ ہیں۔ دس ہیں۔ سو ہیں۔ ہزار ہیں۔ لاکھ ہیں۔ کہتے ہیں، لاکھوں ہیں۔ میں نے پوچھا آجکل بھی ہیں کہا آجکل بھی ہیں۔ میں نے پوچھا غیر احمدی بھی ہیں کہتے ہیں نہیں۔ حقیقی مسلمان میں غیر احمدی نہیں ہو سکتا۔ اس پر مرزا ناصر احمد نے بھٹو صاحب سے کہا تھا کہ غلطی ہو گئی۔ میں نے کہا غلطی ہوتی پھر یہ نہ کہیں کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ بات ختم کریں۔ جب آپ کہتے ہیں کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ غیر احمدی حقیقی مسلمان نہیں بن سکتا تو پھر یہ کیسے توقع رکھتے ہیں۔ عزیز احمد جیسے بلکہ شیخ رشید جیسے بیٹھے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں غیر مسلم نہ بنایا جاتے۔ کہنے لگے یہ تو خود ہی اس طرف چلے گئے۔ بھٹو صاحب نہیں چاہتے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ کوئی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو مرزا صاحب کو نبی مانتا وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ وہ تو انہوں نے بین کر دی تھی ورنہ آپ ساری کارروائی پڑھ لیں بڑی دلچسپ ہے۔ گیارہ دن میں نے ان پر جرح کی ہے۔

س ۔۔۔ اسمبلی میں۔

ج ۔۔۔ اسمبلی میں۔ ساری اسمبلی کی کمیٹی بنا دی تھی۔ اور کہا گیا تھا کہ یہ ساری کارروائی سیکرٹ ہو گی تاکہ لوگ اشتعال میں نہ آئیں۔ ماریں گے۔ کچھ کریں گے۔ میں نے ان پر سوالات کیئے تھے گیارہ دن۔

س ۔۔۔ چودھری ظفر اللہ خاں نے مجھے بتایا تھا کہ انہیں صاحبزادہ فاروق علی خاں نے کہا کہ اگر وہ کارروائی شائع کر دی جاتے تو آدھا پاکستان احمدی ہو جاتے؟

ج ۔۔۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جی۔ ماریں گے لوگ انہیں۔

س ۔۔۔ اچھا!

ج ۔۔۔ ہاں۔

س ۔۔۔ پھر صاحبزادہ صاحب نے یونہی کہہ دیا ہو گا۔ یا پھر چودھری صاحب کو بات سمجھنے میں غلطی لگی ہو گی؟

ج ۔۔۔ چھاپ لیں۔ ہمیں کیا اعتراض ہے۔ اگر ان کی رضا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

س ۔۔۔ وہ رپورٹ ان کے خلاف جاتی ہے۔

ج ۔۔۔ ان کے خلاف جاتی ہے۔

(آتش فشاں، لاہور، مئی ۱۹۹۴ء، ص ص ۳۰ تا ۳۲)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اصلاحی کارنامے

(۲)

[اس عنوان سے ہم نے سلسلہ مضامین شروع کیا تھا جس کی پہلی قسط دسمبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس سلسلہ کی دوسری قسط اس شمارے میں شائع کی جارہی ہے۔]

استوٰی علی العرش کی تفسیر

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف ۷ : ۵۴)۔

ترجمہ۔ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ وقتوں میں پیدا کئے پھر وہ عرش پر متمکن ہے۔

پھر فرمایا۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (الحاقہ ۶۹ آیۃ ۱۷)

ترجمہ۔ اور تیرے رب کا عرش اس دن آٹھ اپنے اوپر اٹھاتے ہوتے ہوں گے۔

پھر فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○

(ترجمہ) اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھہرنے کی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کو لوتھڑا بنایا اور لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا۔ اور گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے اسے ایک اور پیدائش دے کر اٹھا کھڑا کیا۔ پس اللہ با برکت ہے (جو) سب بنانے والوں سے بہتر ہے۔ (سورہ المومنون ۲۳ : ۱۲-۱۴)

پھر فرمایا۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ ------ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ (سورۃ المومنون ۲۳ آیات ۱-۵ اور ۸-۹)

(ترجمہ) مومن یقینا کامیاب ہیں۔ جو اپنی نمازمیں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ اور جو پاکیزگی کے لئے کام کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں---۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔

شروع میں جو آیت تلاوت کی گئی اس میں تین لفظ آتے ہیں جن کی تشریح کی ضرورت ہے۔ ایک عرش جس سے آپ بخوبی واقف ہیں اور دوسرا ستہ جس کے معنی میں چھ اور تیسرا ایام جس کے معنی دن ہیں۔ ان تینوں لفظوں کے حوالے سے حضرت مرزا صاحب نے جو نکات بیان فرماتے ہیں ان کا ذکر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے مجدد اعظم حصہ سوم کے صفحات ۱۱۲ تا ۱۱۸ میں کیا ہے۔ یہ درس اسی تعلیم پر مشتمل ہے۔

عرش کے عام معنی تو تخت لئے جاتے ہیں اور بعض مفسرین نے ان لفظی معنوں سے ہٹ کر نفاذ امر یعنی حکم کی تعمیل کروانا کئے ہیں جو اپنی جگہ نہایت ٹھیک ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے اس کی جو تفسیر صفات الہیہ کو سامنے رکھ کر کی ہے وہ نہایت

لطیف اور کئی مسائل پر روشنی ڈالنے والی ہے۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عاجز انسانوں کو اپنی کامل معرفت کا علم دینے کے لئے اپنی صفات کو قرآن شریف میں دو رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ ایک تشبیہی صفات اور دوسری تنزیہی صفات۔ پہلی قسم تشبیہی صفات کا ذکر اس طرح سے کیا ہے کہ وہ استعارہ کے رنگ میں مخلوق کی صفات کے ہم شکل ہیں۔ جیسے خدا کے ہاتھ ہیں وہ دیکھتا ہے، اس میں غضب ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان صفات کے اس طرح کے بیان سے شبہ ہو سکتا تھا کہ گویا انسان ان صفات میں خدا سے مشابہ ہے اور خدا انسان سے مشابہ ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہی صفات کا ذکر کر دیا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو اپنی ذات اور صفات میں کچھ بھی شراکت انسان کے ساتھ نہیں اور نہ انسان کو اس کے ساتھ کچھ مشارکت ہے۔ لفظ وہی استعمال ہوتا ہے لیکن جب خدا کے لئے استعمال ہو تو اس کا مفہوم کچھ اور ہے اور جب انسان کے لئے استعمال ہو تو مفہوم کچھ اور ہے۔ خدا کا خَلق یعنی پیدا کرنا کچھ اور ہے اور انسان کا خَلق بالکل اور۔ نہ خدا کا رحم انسان کے رحم کی طرح ہے نہ اس کا غضب انسان کے غضب کی طرح۔ قرآن شریف میں کئی جگہ یہ ذکر آیا ہے کہ خدا اپنی ذات اور صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہے۔ جیساکہ سورہ شوریٰ ۴۲ کی آیت ۱۱ میں آیا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ یعنی اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں۔ یہی مفہوم اس آیت کا ہے جو شروع میں پڑھی گئی۔ ترجمہ پھر سنئیے۔ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ وقتوں میں پیدا کئے پھر وہ عرش پر متمکن ہے۔ عرش کا مطلب حضرت مرزا صاحب نے بتایا ہے کہ یہ تنزیہی صفات کا مقام ہے جو مقام تنزہ و تجرد ہے جو وراء الورا اور مخلوق کے قرب و جوار سے دور تر ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات کا وہ مقام ہے جہاں کسی مخلوق کو کسی قسم کی کوئی شراکت یا قرب نہیں۔ تو آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ پہلے اللہ تعالیٰ عرش پر اپنی تجلیات ظاہر فرما رہا تھا اور وہ اپنی ذات میں اکیلا تھا۔ پھر اس نے زمین آسمان پیدا کئے اور پھر اپنے تئیں عرش پر مخفی کر لیا۔ مخفی اس لئے کہ وہاں اور کسی کو دخل کی گنجائش نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنی مصنوعات سے پہچانا جاتے اور اس لئے اپنی صفات رحمٰن، رحیم، کریم، غفور وغیرہ ظاہر کئے۔ مگر ساتھ ہی بتا دیا کہ وہ عرش پر قرار پکڑے ہوتے ہے اور ان صفات میں انسان کو اس کے ساتھ کوئی بھی شراکت نہیں اور وہ ہر ایک بات میں بے مثل ہے۔ اس کی تمام صفات اس کی ذات کے مناسب حال ہیں انسان کی صفات کی مانند نہیں۔ مثلاً انسان اپنے غضب کے وقت پہلے اپنے غضب کی تکلیف آپ اٹھاتا ہے اور جوش و غضب میں فوراً اس کا سرور دور ہو کر ایک جلن سی اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایک تبدیلی اس کی حالت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر خدا ان تغیرات سے پاک ہے اور اس کا غضب ان معنوں سے ہے کہ وہ اس شخص سے جو شرارت سے باز نہ آوے اپنا سایہ حمایت اٹھا لیتا ہے اور اپنے قدیم قانون قدرت کے موافق اس سے ایسا معاملہ کرتا ہے جیساکہ ایک غضبناک انسان کرتا ہے۔ لہٰذا استعارہ کے رنگ میں وہ معاملہ اس کا غضب کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح دوسری صفات کا معاملہ سمجھو۔ خدا تعالیٰ کی ہر ایک صفت انسانی صفت سے الگ ہے اور صرف اشتراک لفظی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عرش کوئی ایسی جگہ نہیں کہ پتھر یا اینٹ یا کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو اور خدا اس پر بیٹھا ہو۔ خدا صاف طور پر فرماتا ہے کہ وہ قیوم ہے یعنی ہر چیز کو اس نے اٹھایا ہوا ہے۔ یہ کہیں نہیں کہا کہ کسی چیز نے مجھے بھی اٹھایا ہوا ہے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے بہت سا قرب اپنا اس کو دیا مگر یہ تمام تجلیات خاص وقتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب کوئی مخلوق پیدا ہوئی تو اس کے مناسب حال تشبیہی صفات کا ظہور ہوا یہ

ہمیشہ سے نہیں ہیں۔ ہمیشہ سے صرف اللہ تعالیٰ کی تنزیہی صفات ہیں جن میں کسی کی کوئی شراکت نہیں اور جن کے ظہور کا مقام عرش ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدت کے اس دور نے کتنی بار ظہور کیا، یہ قدیم اور غیر متناہی ہے۔

شروع میں جو آیات پڑھی گئی تھیں ان میں سے دوسری کا ترجمہ پھر سنیئے :- "اور تیرے رب کا عرش اس دن آٹھ اپنے اوپر اٹھاتے ہوں گے۔"

اس کا مطلب حضرت مرزا صاحب نے یہ سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور جو عرش پر ہے وہ سب سے دور اور نہاں در نہاں ہے کسی کو وہاں تک پہنچنے کی طاقت نہیں۔ اس پوشیدہ وجود کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے شروع میں ہی سورہ فاتحہ میں چار صفات بیان فرمائی ہیں ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور مالک یوم الدین۔ استعارہ کے رنگ میں یہ چار فرشتے ہیں جن سے اس دنیا میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہوتا ہے۔ قیامت کے روز یہ معرفت دوچند ہو جائے گی۔ گویا چار کی بجائے آٹھ فرشتے ہو جائیں گے۔

حضرت مرزا صاحب نے ایک عربی زبان کی گرامر کا نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ استویٰ کے ساتھ جب علیٰ آتے تو اس سے مراد ایسی جگہ قرار پکڑنا ہوتا ہے جو اس کے حسب حال ہو۔ اس لئے استویٰ علی العرش سے بھی ایسا قرار پکڑنا ہی مراد ہو سکتا ہے جو جناب باری تعالیٰ کے حسب حال ہو اور یہ اس کے تنزہ اور تجرد کا مقام ہے۔ لہٰذا عرش سے مراد وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی تجلیات میں کوئی کسی طرح سے بھی شریک نہیں اور نہ کسی کی وہاں تک پہنچ ہے۔

عرش کی وضاحت کے بعد اب ہم دیگر دو الفاظ ستہ اور ایام کی طرف آتے ہیں جن کے معنی چھ اور دن ہیں۔ شروع میں جو آیت پڑھی گئی تھی اس کے پہلے ہی یہ تھا کہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ وقتوں میں پیدا کئے۔ عربی میں ستة ایام ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے ایام سے مراد ہمارا چوبیس گھنٹے کا دن نہیں لیا اس لئے کہ یہ چوبیس گھنٹے کا دن تو سورج اور زمین کی پیدائش کے بعد ظہور میں آیا۔ اس لئے اس سے پہلے کائنات کی تخلیق جو چھ ایام میں ہوئی تو ایام سے مراد مطلق زمانہ یا دور لیا ہے۔ ہر ایک دور کتنا لمبا تھا اس کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو ہے۔ بہر حال یہ کائنات شروع سے لے کر آج تک چھ مختلف مرحلوں میں سے ہو کر بنی۔

براہین احمدیہ حصہ پنجم میں حضرت مرزا صاحب نے سورۃ المومنون کی آیتوں کی تفسیر کرتے ہوتے یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جس طرح کائنات کی تخلیق چھ مرحلوں میں ہوئی اسی طرح انسان کی جسمانی اور روحانی پیدائش اور نشوونما بھی چھ مراتب ہی میں ظہور پذیر ہوئیں۔ جسمانی تخلیق کے متعلق سورۃ المومنون کی آیات ۱۲ تا ۱۴ آپ کو پڑھ کر سنائی گئی تھیں جن میں صاف ان چھ مراحل کا ذکر ہے۔ نطفہ، لوتھڑا، لوتھڑے کو گوشت بنانا، گوشت کے ٹکڑے پر ہڈیاں بنانا، ہڈیوں پر گوشت چڑھانا، پھر ایک اور پیدائش میں اٹھا کھڑا کرنا۔ اسی طرح روحانی پیدائش کا ذکر اسی سورۃ کی آیت ۱ تا ۵ اور ۸ اور ۹ میں ہے۔ ان میں بھی صاف چھ مراحل کا ذکر ہے جو یہ ہیں۔ نماز میں عاجزی کرنا، لغو سے منہ پھیرنا، پاکیزگی کے لئے کام کرنا، شرمگاہوں کی حفاظت کرنا، امانتوں اور عہد کا پاس کرنا، نمازوں کی محافظت کرنا۔ غور فرمائیں روحانی پیدائش اور نشوونما میں نماز کتنی اہم ہے۔ شروع نماز میں خشوع سے کیا ہے اور آخر میں نماز کی محافظت کا حکم ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا مشن اور مولانا محمد علی صاحبؒ

مرتبہ ڈاکٹر زاہد عزیز، ایڈیٹر "لائٹ" ۔ انگلستان

اس مضمون کو میں نے اپنی تقریر سے مرتب کیا ہے جو خاکسار نے ۲۳ دسمبر ۱۹۹۴ء کو لاہور میں کی تھی۔ اس میں دس (۱۰) ثبوت پیش کیئے گئے تھے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ، بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے مشن کے اہم کام اپنی زندگی میں حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کے سپرد کیئے۔ اس سلسلہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کی پیشگوئی

حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں (۱۸۹۱ء) میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان (یعنی مغربی اقوام) کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہو گا جیسا کہ مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔" (ص ۷۷۳)

۲۔ The Religion of Islam کا لکھا جانا

اخبار بدر مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء میں درج ہے:-

"۱۳ فروری ۱۹۰۷ء کو مولوی محمد علی صاحب کو حضرت اقدس نے بلا کر فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یورپ و امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لیئے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جائے اور یہ آپ کا کام ہے۔ آجکل ان ملکوں میں جو اسلام نہیں پھیلتا۔۔۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں۔"

یہ کام بھی جو حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولانا کے سپرد کیا اور آپ نے بطریق احسن اس کو مکمل کر کے دکھایا اور معرکہ آراء کتاب The Religion of Islam تصنیف کی۔ ایک مشہور انگریز مسلمان عالم مارماڈیوک پکھتال نے جو کہ خود بھی مترجم قرآن تھا، حضرت مولانا کو ان شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:-

"غالباً کسی زندہ شخص نے اسلام کی اتنی طویل اور قیمتی خدمت نہیں کی ہو گی جتنی مولانا محمد علی صاحب لاہوری نے کی ہے۔ آپ کی اور ساتھ ہی خواجہ کمال الدین صاحب کی تصنیفات نے تحریک احمدیت کو ایک خاص شہرت اور امتیاز کا مقام دے دیا ہے۔" آگے چل کر ریویو میں لکھتے ہیں: کہ "ہم ان دنوں دیکھتے ہیں کہ بعض اشخاص جو اصلاح اسلام کا جذبہ رکھتے ہیں غلطیاں کر رہے ہیں کیونکہ وہ اس علم سے ناواقف ہیں (جو اس کتاب میں موجود ہے)۔" ریویو کے اس آخری فقرہ سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جس کا اظہار انہوں نے اپنے ارشاد مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۹ء۔ مندرجہ اخبار بدر میں کیا ہے۔

۳۔ رسالہ Review of Religions کا اجراء

اس رسالہ کو جاری کرنے کی تجویز کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے جو اشتہار شائع کیا، اس میں لکھتے ہیں:-

"یہ امر ہمیشہ میرے لیئے موجب غم اور پریشانی کا تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف۔۔۔ جو مجھ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالب علموں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا اور یہ درد اس قدر تھا کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی، مگر چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس ناپائیدار گھر سے گذر جائیں، ہمارے تمام مقاصد پورے کر دے۔۔۔ اس لیئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیئے جو ہماری زندگی

کا اصل مقصود ہے ایک تدبیر پیدا ہوتی اور وہ یہ ہے کہ

"۔۔۔ ایک رسالہ میگزین بزبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لیئے نکالا جائے۔" اس رسالہ کے ایڈیٹر آپ نے خود مولانا محمد علی صاحب کو مقرر کیا، اور آپ کی زندگی میں اس رسالہ کے اکثر مضامین مولانا صاحب کی قلم سے ہی نکلتے تھے جن میں سے بیشتر حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی تحریرات کے تراجم تھے۔ اس رسالہ نے چند ہی سالوں میں بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی۔

۴۔ صدر انجمن احمدیہ کا قیام

حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۹۰۶ء کی ابتدا میں جب صدر انجمن احمدیہ، قادیان قائم کی اور کتابچہ "الوصیت" میں اس انجمن کو یہ مقام دیا کہ انجمن "خدا کے مقرر کردہ خلیفہ (یعنی حضرت مسیح موعود) کی جانشین ہے" تو اس کے سیکرٹری مولانا محمد علی صاحب کو مقرر کیا۔

۵۔ اخباروں کے ایڈیٹروں کو تاکید کہ مضامین مولانا صاحب کو پہلے دکھائیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی ڈائری مورخہ ۲ نومبر ۱۹۰۲ء میں مرقوم ہے کہ:-

"حضرت اقدس نے الحکم اور البدر کے ایڈیٹروں کو بلا کر تاکید کی کہ وہ آپ کی تقاریر کے قلمبند کرنے میں ہمیشہ محتاط رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی بات غلط پیرایہ میں بیان ہو جائے جس کو معترض لوگ دلیل بنا لیں۔۔۔ اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے مضامین اخبارات میں چھاپنے سے پہلے مولوی محمد علی صاحب کو دکھا لیا کریں۔ اس میں آپ کو بھی فائدہ ہے اور تمام لوگ بھی غلطیوں سے بچتے ہیں۔"

یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک مولانا محمد علی صاحب ان کے عقائد اور تعلیمات کی صحیح ترجمانی کرنے کے لائق ہیں۔

۶۔ مولوی محمد علی صاحب جیسے لوگ پیدا کرنے کی خواہش

ایک موقع پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:-

"میں یہ چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور وہ اکیلے ہیں۔ ان کا ہاتھ بٹانے والا یا قائم مقام نظر نہیں آتا"۔ (الحکم، مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء)۔

۷۔ مولانا محمد علی صاحب کے قابل تقلید نمونہ کی پیشگوئی

حضرت مولانا صاحب کی جماعت میں شمولیت کے وقت حضرت مسیح موعودؑ نے ایک اشتہار میں تحریر فرمایا:-

"اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے یعنی محبی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ۔۔۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقویٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لیئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین" (۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء)۔

۸۔ طاعون کا واقعہ اور مولانا صاحب کا "من فی الدار" ہونے کا الٰہی ثبوت

حضرت مسیح موعودؑ نے الہام شائع کیا تھا کہ طاعون کی مرض سے جو پنجاب میں وبائی صورت میں پھیلی ہوئی تھی، آپ کے گھر میں رہنے والے افراد محفوظ رہیں گے سوائے اس کے جو سرکشی اور تکبر اختیار کرے:- اِنِّی اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ۔ پھر آپ کتاب حقیقۃ الوحی میں اپنی صداقت کے نشانات بیان کرتے ہوئے ایک یہ بھی نشان لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ

مولوی محمد علی صاحب کو، جو آپ کے گھر میں ہی رہتے تھے، سخت بخار چڑھ گیا اور آپ نے خیال کیا کہ کہیں یہ طاعون نہ ہو۔ یہ خبر ملنے پر حضرت مسیح موعود فوراً آپ کے کمرے میں گئے اور حال دریافت کر کے نہایت جذبہ کے ساتھ فرمایا:- "اگر آپ کو طاعون ہو گئی ہے تو میں جھوٹا ہوں اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے"۔ یہ الفاظ کہہ کر آپ نے مولانا صاحب کی نبض پر ہاتھ رکھا تو بخار کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ (حقیقتہ الوحی، ص ۲۵۳)۔

۹۔ حضرت مسیح موعود کا مولانا صاحب کو رویا میں قلم دینا

کتاب "تذکرہ" میں حضرت مسیح موعود کا بیان کردہ ایک رویا ہے جس میں آپ کے چوٹی کے مرید مولوی عبدالکریم صاحب آپ کو ایک قلم دیتے ہیں جس کے ساتھ ایک بڑی نالی لگی ہوتی ہے، جس سے وہ قلم بغیر محنت کے آسانی سے چلنے لگتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

"میں نے کہا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی (عبدالکریم) صاحب نے کہا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہو گا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔"

حضرت مرزا صاحب کا مولانا صاحب کو قلم دینے سے مراد ہے کہ آپ انہی سے حاصل کردہ علم کو آگے پھیلائیں گے اور انہی کی تعلیمات کو دنیا میں پیش کریں گے۔ قلم کا آسانی سے چلنے میں یہ پیشگوئی تھی کہ مولانا صاحب کی کثیر التعداد تحریرات ہوں گی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا فرمانا کہ یہ قلم میں نے تو نہیں منگوایا سے مراد ہے کہ یہ کام آپ کے ہاتھوں سے، آپ کی زندگی میں نہیں ہو گا، بلکہ یہ کام آپ نے مولانا محمد علی صاحب کو اپنے بعد کرنے کے لیئے سونپا۔ یہ رویا جس واضح طریق پر پورا ہوا، ایک دنیا آج اس کی معترف ہے۔

۱۰۔ آخرت میں مسیح موعودؑ کی رفاقت حاصل کرنا

حضرت صاحب کا ایک رؤیا اخبار بدر میں مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوا۔

"مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا۔ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔"

(بدر، جلد ۳، نمبر ۲۹)۔

اسلام میں اطاعت شعاری

محترمہ صبیحہ سعید صاحبہ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔ (النساء ۴: ۵۹)

ترجمہ:- اے لوگو! جو ایمان لاتے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو، تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو۔ یہ بہتر اور انجام کار اچھا ہے۔"

ان آیات کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کے بعد اولی الامر کا حکم ماننا ضروری ہے۔ جن میں وہ لوگ بھی شامل

ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے مومن کا درجہ رکھتے ہیں جیسے آئمہ، علماء وفقہا وغیرہ۔ زندگی کے معاملات اور پیچیدہ مسائل کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی تعلیم کی روشنی میں رہنمائی تلاش کرنی چاہیئے اور اس سلسلہ میں اولی الامر کی مدد بھی لینی چاہیئے۔ مگر ایسا بھی تو ممکن ہے کہ بعض اوقات اولی الامر ایک فیصلہ غلط کر دے یا مشورہ درست نہ ہو۔ البتہ یہ امر یقینی ہے کہ غلطی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اولی الامر کی اطاعت اگر شریعت کے مطابق ہو تو مان لی جائے ورنہ رد کر دی جائے۔ اطاعت کے سلسلہ میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "قبول کرو اور اطاعت کرو خواہ تم پر حبشی غلام کو امیر بنایا جائے"۔ اس قسم کی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولی الامر کے احکام کی پابندی کی اصل بنیاد اتحاد جماعت میں ہے۔ کیونکہ جب تک سب اپنے آپ کو ایک حکم کے ماتحت نہیں کرتے اس وقت تک اتحاد قائم نہیں رہ سکتا۔ ظاہر ہے کہ دنیاوی معاملات میں اختلاف رائے تو ہوتا ہی ہے جس سے ایک تنازعہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے نفاق پیدا کرنے کی بجائے کتاب الٰہی اور سنت نبویؐ کی رہنمائی حاصل کی جائے اور اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے۔ رسول اکرمؐ کی ذات ہمارے لئے حکم عدل ہے۔ صحابہ کرام میں اطاعت رسولؐ اس درجہ تھی کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر امیرالمومنین نے جب زیادہ حق مہر مقرر کرنے کے خلاف خطبہ دیا تو ایک عورت نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور کہا کہ جب خدا ہمیں سونے کے ڈھیر دینے سے منع نہیں کرتا تو آپ کس طرح اس پر پابندی لگاتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ فوراً کہہ اٹھے کہ مدینہ کی خواتین تو عمرؓ سے زیادہ قران کا علم رکھتی ہیں۔ رسول اکرم صلعم کی ذات اطاعت کا مجسمہ ہے اور ان کا اسوہ اطاعت و تابعداری کا جذبہ قوم میں پیدا کرتا ہے۔ اسی محکم اصول کے پیش نظر شریعت کا یہ اصول ہے کہ نبی کبھی مطیع نہیں ہوتا بلکہ مطاع ہوتا یعنی اس کی اطلاعت کی جاتی ہے اور چونکہ بانی سلسلہ احمدیہ شریعت محمدیہ کے پابند اور رسول اکرم خاتم النبین کے اطاعت گزار ہیں اس لئے وہ حقیقی معنوں میں نبی نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر ہم اس عقیدہ کو کہ حضرت مسیح دوبارہ دنیا میں آکر شریعت محمدیہ پر عمل پیرا ہوں گے درست تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اس طرح وہ بحیثیت نبی مطاع نہ رہے بلکہ مطیع ہو گئے۔ جماعت احمدیہ لاہور کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا نہ نیا نہ پرانا اور نہ ہی حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت ہیں۔ امتی نبی، نبوت ناقصہ، ظلی نبی بروزی نبی کی جو اصطلاحات حضرت بانی سلسلہ نے اپنی تحریرات میں استعمال کی ہیں یہ اصطلاحیں شریعت یعنی قرآن و حدیث کی نہیں بلکہ اہل طریقت اور صوفیاء کرام کی وضع کردہ ہیں۔ جو نبیوں کے لیئے نہیں بلکہ محدثوں کے لیئے استعمال کی جاتی ہیں۔ اسی بنا پر مجددین اور اولیاء کی وحی کو وحی ولایت کہا جاتا ہے اور چونکہ ایسی ہستیاں مطاع نہیں بلکہ مطیع ہوتی ہیں اس لئے ان کا ماننا جزو ایمان نہیں ہوتا اور ان کے نہ ماننے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

ہمارے نبی کریم صلعم کے دو نام تھے۔ ایک محمد صلعم اور دوسرا احمد صلعم۔ اسم محمد صلعم جلالی نام تھا اور اسم احمدؐ جمالی نام تھا۔ رسول اکرم صلعم کی آخری زمانہ کے متعلق پیشگوئی تھی کہ اس میں پھر اسم احمدؐ کا ظہور ہو گا۔ یعنی اسلام اپنی روحانی قوت اور خوبیوں کی بدولت پھر لوگوں کے دلوں کو مسخر کریگا اور چونکہ اس جماعت کا کام ہی دنیا میں اشاعت و تبلیغ ہے اسی مناسبت سے اس کا نام احمدیہ رکھا گیا۔ اور احمدی ہونے کے ناطے سے ہم سب اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ ایک بار پھر اسلام یقیناً دنیا پر غالب آئے گا اور دوسری تمام طاقتیں اسلام کی سچائی و عظمت کے آگے مغلوب ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ۔ اس ایمان و عقیدہ کی بناء پر یہ جماعت ہر طرح کی جانی و مالی قربانیاں کر رہی ہے۔ یہ عارضی تکالیف ہمارے حوصلوں میں کمزوری نہیں پیدا کر سکتیں۔ ہمیں یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ جھوٹا نہیں۔ اس نے جو فیصلہ کر دیا وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہمیں اس عظیم مقصد کے لئے مسلسل کوشش اور قربانی کرتے رہنا چاہیئے۔ نتائج خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ:-

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

عید الاضحٰے اور ہماری سماجی ذمہ داریاں

ناصر احمد، بی۔ اے، ایل ایل بی

عید الاضحیٰ کا تہوار عید الفطر کے بعد مسلمانوں کا دوسرا بڑا تہوار ہے جس کا براہ راست تعلق حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے اسماعیلؑ کی قربانی اور مناسک حج سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے حج اور قربانی کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شرک سے بیزاری، خداوند قدوس کی عبادت گزاری اور اطاعت شعاری کو رہتی دنیا تک زندہ یادگار بنا دیا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر قرآن مجید اور بائیبل کا مطالعہ کیا جائے تو بڑے دلچسپ اور معجز نما باتیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ذکر ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ۔ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ یعنی جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند احکام سے آزمایا تو اس نے ان کو پورا کیا (اور خدا نے وعدہ کیا) کہ میں تجھے لوگوں کے لئے پیشوا بنانے والا ہوں۔ (۲ : ۱۲۴)۔

اسی سلسلہ میں بائیبل کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:-

"میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا" (پیدائش ۱۶ : ۳)۔ اب یہودی اور عیسائی دونوں حضرت ابراہیمؑ کو ابوالانبیاء تو مانتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے پیشگوئی کے رنگ میں جو وعدے کئے تھے وہ کس طرح اور کس قوم کے ذریعہ پورے ہوئے۔ یہودی حضرت موسیٰؑ کو خاتم النبین مانتے ہیں اور اس طرح صرف ان ہی کی عظمت کو قائم کرتے ہیں۔ دوسری طرف عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر مار کر خدا کا بیٹا بنا لیا اور اس طرح اپنے رنگ میں ان کی عظمت کو قائم کرتے ہیں۔ لیکن یہ صرف رسول اکرم صلعم کی امت ہی ہے جو ہر نماز میں اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ پڑھتی ہے اور اس عظیم الشان نبی کی عظمت اور برکت کو سلام کرتی ہے اور ان کی عظمت اور برکت کے لئے خدا سے دعا بھی کرتی ہے۔ لہذا عید الاضحیٰ جہاں مسلمانوں کے لئے خدائے واحد کی عبادت کی انتہائی منزل ہے وہاں وہ حضرت ابراہیمؑ سے کئے گئے خدائی وعدوں کے پورا ہونے کا اظہار تشکر منانے کا دن بھی ہے۔ دیکھا جائے تو تمام مناسک حج کا تعلق حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت حاجرہ سے ہی ہے۔ حج تو سال میں ایک دفعہ صرف مخصوص دنوں میں کیا جاتا ہے لیکن عمرہ تو ہر وقت ہو سکتا ہے۔ جس میں قربانی کے علاوہ خانہ کعبہ، صفا اور مروہ سے متعلق تمام مناسک ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ خانہ کعبہ دنیا میں وہ واحد عبادت گاہ ہے جہاں کوئی لمحہ دن کا ایسا نہیں ہوتا کہ لوگ طواف اور خدائے واحد کی توصیف و تمجید نہ کر رہے ہوں اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ اے ہمارے رب ہم تیرے حضور حاضر ہیں، کی آوازیں بلند ہو رہی ہوتی ہیں اور ایک رنگ میں ہر لمحہ بندگان خدا حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت حاجرہ کو عملی رنگ میں خراج تحسین پیش کر رہے ہوتے ہیں کیا اس سے بڑھ کر کوئی قوم حضرت ابراہیمؑ کی تکریم اور عظمت کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔

قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کا خدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے پیارے بیٹے کی قربانی کو ذبح عظیم کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کے ایک حصے کا تعلق رسول اکرم صلعم کی بعثت سے بھی ہے اس لئے قرآن مجید کے ان الفاظ کی حقیقت جاننے کے لئے ہمیں حضرت ابراہیمؑ اور رسول اکرم صلعم دونوں کے تاریخی اور سماجی پس منظر کا جائزہ لینا ہو گا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بتوں کو خوش کرنے یا آسمانی آفات کو دور کرنے کے لئے انسانوں کی قربانی کا عام رواج تھا۔ اور یہ رواج عربوں میں رسول اکرم صلعم کی بعثت تک موجود تھا۔ چنانچہ احادیث میں حضرت معاویہؓ سے روایت درج ہے کہ ایک عربی رسول اکرم صلعم کے پاس آیا اور آپؐ کو خطاب کر کے کہا یا ابن الذبیحتین یعنی اے دو ذبیحوں کے بیٹے۔ جس میں ایک تو حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی طرف اشارہ تھا اور دوسرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ کیونکہ جب رسول اکرم صلعم کے دادا عبدالمطلب نے زمزم کھودنا شروع کیا تو نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس امر کو آسان کر دے تو وہ اپنا ایک بیٹا قربان کر دیں گے۔ جب قرعہ نکالا گیا تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام کا نکلا۔ یہی بیٹا حضرت عبدالمطلب کو زیادہ پیارا تھا چنانچہ کاہنوں کے مشورہ سے ۱۰۰ اونٹ بطور فدیہ دئے گئے۔ تو انسانوں کی قربانی کا رواج حضرت اسماعیل کی قربانی سے پہلے بھی تھا اور اس کے بعد بھی جیسے حضرت عبدالمطلب کے اپنے ایک بیٹے کی قربانی بطور نذر ماننے سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن عام قربانی اور حضرت ابراہیمؑ کے اپنے منتوں سے حاصل کئے ہوئے بیٹے کی قربانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عام طور پر تو کسی بڑے دنیاوی مقصد کو حاصل کرنے یا کسی مصیبت یا آفت کو دور کرنے کے لئے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ لیکن یہاں جس مقصد کے لئے قربانی دی جا رہی ہے وہ کئی لحاظ سے عظیم اور یکتا ہے۔ ان مقاصد کی تھوڑی سی جھلک حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا میں نظر آتی ہے جو انہوں نے اور حضرت اسماعیلؑ دونوں نے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے بعد کی۔

وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔

یعنی ہم نے ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کو حکم دیا کہ میرے گھر کو پاک کر دو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔ اے میرے رب، اس کو امن والا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو کوئی ان میں سے اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتے۔ اے ہمارے رب اور ان میں انہی میں سے ایک رسول اٹھا جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتے اور ان کو پاک کرے۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے (بقرہ ۲ : ۱۲۵ تا ۱۲۹)۔

آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ایک ایک لفظ کس عظیم الشان طریق پر نہ صرف پورا ہوتا ہوا ہم اپنی آنکھوں سے خانہ کعبہ کی موجودہ شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ جو خدائے واحد کی عبادت کا دنیا میں یکتا زندہ مرکز ہے اور جس کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کی مثالی قربانیاں جو صرف خدا کی خاطر دی گئیں، خدا نے انہیں ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے۔ آج لاکھوں فرزندان توحید دنیا کے کونے کونے سے مختلف قوموں، رنگ و نسل اور زبانوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں، مرد، جوان، بوڑھے اور بچے ان برگزیدہ بندوں کے قدم پر قدم چلنے کو عین سعادت سمجھتے ہیں اور اس کو اپنی روحانی درجات کی بلندی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال پیشتر اس بے آب وگیاہ جگہ پر ایک چھوٹے سے خاندان کے تین افراد باپ، بیٹا اور ماں نے یہ قربانیاں اس لئے دیں تاکہ خانہ کعبہ سے شرک کو مٹا کر اسے خدائے واحد کی عبادت کا مرکز بنایا جائے۔ مناسک حج کی ادائیگی اور قربانی دینے کے سلسلہ میں یہ بات بطور خاص یاد رکھنی چاہئے کہ یہ تمام عبادتیں اور ذکر و اذکار محض یادگار کے طور پر نہیں کی جاتیں بلکہ ان کا مقصد نیکی کرنے کے لئے دلوں میں جذبہ ایمانی اور استقامت پیدا کرنا ہے اور خدا کی

خوشنودی کی خاطر انسانوں کی بھلائی کے لئے ایثار و قربانی کے جذبہ کی آبیاری ہے۔ قرآن مجید قربانی دینے کے بارے میں ان بنیادی مقاصد کی طرف ہماری توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ۔

یعنی نہ ان کا گوشت اللہ کو پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون۔ لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح خدا نے کائنات کا ذرہ ذرہ تمہاری خدمت میں لگا دیا ہے تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی۔ اور احسان کرنے والوں کو خوشخبری دو۔ (سورہ حج ۲۲ آیت ۳۷)

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ عیدالاضحیٰ کا تہوار بنیادی طور پر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت اور قربانیوں کے نتائج کا ایسا زندہ معجزہ ہے جو مذہبی دنیا میں بے مثال ہونے کے علاوہ کئی لحاظ سے نسلی اور گروہی تعصبات، امتیازات اور نفرتوں کو دور کرکے محبت اور بھائی چارے کی فضا کو قائم کرتا ہے۔ حج کے دوران یکجہتی، رواداری اور نظم و ضبط کا جو شاندار مظاہرہ دیکھنے میں آتا ہے اگر ان صفات کو ہم انفرادی طور پر اور پھر قومی سطح پر قائم کرنے کی کوشش کریں تو ملت اسلامیہ نہ صرف ایک معزز مقام حاصل کرلے بلکہ خدا اس کو دنیاوی نعمتوں سے بھی نوازے گا۔

بظاہر یہ الفاظ اتنے پیارے اور خوبصورت لگتے ہیں لیکن ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بندے کو خدا کی عبادت اور قربانی کی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے شرک کو مٹانے اور خدا کی عبادت کو قائم کرنے کے لئے کبھی شام کی طرف ہجرت کی۔ کبھی اپنی بیوی اور منتوں مرادوں والے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو خدا کے حکم پر مکہ کے ریگستان میں چھوڑا، جہاں ماں دودھ پیتے بچے کی پیاس سے بے تاب پانی کی تلاش میں دوڑ کر کبھی صفا کی پہاڑی پر چڑھتی اور کبھی مروا کی پہاڑی پر۔ پھر جب یہ دودھ پیتا بچہ جوان ہوتا ہے اور اکیلی ماں کا سہارا بننے کے قابل ہوتا ہے تو خدا کا حکم نازل ہوتا ہے کہ اس بیٹے کو ذبح کردو۔ اس موقع پر باپ اور بیٹے دونوں نے فرمانبرداری کی عظیم الشان مثال قائم کی۔ خانہ کعبہ کے لئے قربانیوں کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش سے پیشتر ہی یتیم ہو جاتے ہیں۔ پیدائش کے چند سال بعد دادا عبدالمطلب فوت ہو جاتے ہیں اور عین اس وقت جب مخالفت زوروں پر تھی تو ابو طالب جیسے بااثر اور مضبوط شخصیت کے مالک چچا بھی وفات پا جاتے ہیں۔ آخر کار دشمن کے ظلم وستم کی انتہا ہو جاتی ہے۔ سارے ساتھی آہستہ آہستہ ہجرت کرکے مدینہ چلے جاتے ہیں۔ پھر خود رسول اکرم صلعم بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ جان بچاتے ہوئے مدینہ پہنچ جاتے ہیں۔ جنگیں ہوتی ہیں، خود زخمی ہوتے ہیں صحابہ بھی شہید ہوتے ہیں اور بالآخر مکہ فتح ہو جاتا ہے۔ خدا کا یہ پہلا گھر مکمل طور پر بتوں سے پاک ہوتا ہے اور شرک نہ صرف خانہ کعبہ سے بلکہ خطہ عرب سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ اس عظیم الشان معجزہ کے وجود میں آنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ سے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور قربانیوں تک کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کے نتیجہ میں یہ روحانی انقلاب برپا ہوا۔

خواتین و حضرات اور عزیز بچو! نیکی کرنے، اس پر مستقل مزاجی سے قائم رہنے کے لئے انسان کو عبادات اور قربانی کے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور پھر خدا تعالیٰ اپنے مخلص اور فرمانبردار بندوں کی دعاؤں کے نتیجہ میں ان پر افضال نازل کرتا ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کے نام کے معنی ہی دعا کا قبول ہونا ہے۔ اسماعیل سمع اور ایل کا مرکب ہے جس کے معنی ہیں اس نے سن لیا حضرت ابراہیمؑ، حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کی عبادت گزاری، اطاعت شعاری اور جذبہ قربانی کو خدا تعالیٰ نے کس قدر

شرف قبولیت بخشی اس کا نظارہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

خدا کے نزدیک اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ بندہ ظاہری عبادات اور اعمال کے علاوہ اندرونی طور پر خدا کے حکموں کی تعمیل میں کس حد تک اخلاص اور قربانی کا جذبہ رکھتا ہے۔ اسی باطنی قوت کو پیدا کرنا دین کا مقصد ہے کیونکہ یہی وہ قوت ہے جو ارد گرد کے ماحول کے اثرات سے انسان میں کمزوری نہیں آنے دیتی اور خدا کا مخلص بندہ نیکی اور خیر خواہی کو محض خدا کی رضا کی خاطر نہایت مستقل مزاجی سے کرتا چلا جاتا ہے۔ خواہ اس کے نتائج جلد ظاہر ہوں یا دیر سے۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعائیں دیکھیں، ان کی اور ان کے اہل خانہ کی قربانیاں دیکھیں۔ کسی مرحلہ پر بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی کیونکہ ان کا باطن اس یقین سے پر تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اور جو کچھ خدا ان کو کرنے کا حکم دے رہا ہے وہی سچ ہے اور یہ سچ ایک نہ ایک دن ضرور غالب آئے گا اور دنیا کو یہ یقین اور روشنی سے منور کرے گا۔

خواتین و حضرات ! اس تہوار کی اہمیت صرف ایک جانور کی قربانی دینے سے اجاگر نہیں ہوتی۔ یہ تو کئی نسلوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ ایک مثالی فیملی کی نمائندگی کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک ہمارے لئے روشن مثال ہے کہ کس طرح فیملی کے تمام ممبران میں جب نیکی کرنے کے لئے اخلاص اور قربانی کا جذبہ موجزن ہو جاتے تو خدا نہ صرف ان افراد کو عزت بخشتا ہے بلکہ ان کے ذریعہ نیکی کے کاموں کو ترقی دیتا ہے۔ آج امت مسلمہ کا ہر فرد اخلاقی اور روحانی اقدار کی اہمیت کو نظرانداز کر کے محض دنیاوی فوائد اور مال و دولت کے حصول کو ہی کامیاب زندگی کی بنیاد سمجھ بیٹھا ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ معاشرے میں راحت اور خوشی تبھی پیدا ہو سکتی ہے جب ہم انسانی رشتوں کا احترام کرنا سیکھیں اور اخلاقی اور روحانی اقدار کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا معمول بنالیں۔ اگر ہم اس طریق زندگی کو اپنانے کے لئے تیار نہیں تو وہی لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ اور بے اطمینانی کا دور دورہ ہو گا جو آج ہو رہا ہے۔

آیئے عیدالاضحیٰ کے دن کی اہمیت کو سمجھتے ہوتے ہم یہ ارادہ کریں کہ خود غرضی، دنیا پرستی، بے راہ روی کی جگہ نیکی، راستی اور حق پرستی کو دلوں میں جگہ دیں گے۔ دوسروں کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لئے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کریں گے۔ ایک دوسرے سے رواداری اور خوش خلقی سے پیش آئیں گے۔ ان پاک صفات کا وسیع پیمانے پر مظاہرہ امت مسلمہ کے لاکھوں افراد ایام حج میں تو کرتے ہیں لیکن ہمیں چاہیئے کہ ان نیک اور پاک رویوں اور جذبات کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا حصہ بنائیں۔ قرآن مجید اور اسوہ رسول اکرم صلعم انہی کی تلقین کرتے ہیں۔ اس طریق کو اپنا کر ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر خوشحالی اور ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ نیکی کے انہی راستوں پر چل کر ہم خدا کے افضال حاصل کر سکیں گے۔

یہ نہ بھولیں کہ تمام خوشیوں اور راحتوں کا دینے والا وہی عظیم ہستی ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ اس کے افضال کو حاصل کرنے کا ایک ہی طریق ہے کہ پورے اخلاص سے اس کی عبادت کی جائے اور اس کی مخلوق کی خدمت کے لئے ایثار و قربانی کی جائے۔ عیدالاضحیٰ کا یہی پیغام ہے اس پیغام پر غور کریں۔ اس کو سمجھیں اور پورے اخلاص سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

تبصرہ

قسط۔۳

منسوخی جہاد کے الزام کی حقیقت

بشارت احمد بقا صاحب

Qadiani Problem and position of Lahori Group by Dr. Mahmood A. Ghazi, published by Islamic Book Foundation, Faisal Masjid, P.O.Box 1453, Islamabad, 1991).

یعنی قادیانی مسئلہ اور لاہوری گروپ کی حیثیت۔

ڈاکٹر ایم اے غازی کا دوسرا بڑا الزام یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اسلام کے اہم ترین رکن جہاد کو منسوخ قرار دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ انگریز ہمیشہ مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے خوفزدہ رہتا تھا اور سمجھتا تھا کہ جب تک اس قوم میں یہ جذبہ زندہ ہے۔ اس کے پاؤں ہندوستان میں مضبوطی سے نہیں جم سکتے۔ لہذا مرزا غلام احمد قادیانی کے ذریعہ اس جذبہ جہاد کو مسلمانوں کے دل و دماغ سے نکالنے کیلئے منسوخی کا اعلان کرا دیا۔ ہمارے زمانہ حال کے مخالف علماء کا یہ من گھڑت افسانہ تو حضرت مرزا صاحب کے ہمعصر علماء وزعما، مشائخ، اسلامی شہرت یافتہ لیڈروں کی تاج برطانیہ سے وفاداری اور سرکار انگریزی کی بلا چون وچرا اطاعت سے بھرپور بیانات اور فتاوی سے باطل ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان نہ صرف یہ کہ حکومت ہند کی سلامتی اور حفاظت کیلئے انگریزوں کے دشمنوں سے برسرپیکار رہتے تھے۔ بلکہ ملک ہند سے باہر نکل کر ممالک اسلامیہ کے خلاف بھی شمشیر زنی کے جوہر دکھا کر داد شجاعت حاصل کرتے تھے۔ یہ بھرتی چند ہزار تک محدود نہ ہوتی تھی۔ بلکہ لاکھوں کی تعداد کو پہنچتی تھی۔ غازی صاحب کا یہ اخلاقی فرض تھا کہ وہ تاریخی شواہد سے ثابت کرتے کہ انیسویں صدی کے اختتام پر ہندوستان کے مسلمان بالخصوص اور روئے عالم کے مسلمان بالعموم دین اسلام کی حفاظت اور اسلامی ممالک کی سلامتی کی خاطر جہاد بالسیف کیلئے دیار مغرب کی نواستعماری طاقتوں کے خلاف پر تول رہے تھے کہ اچانک مرزا غلام احمد نے ۲۲ مئی ۱۹۰۰ء کو "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" نام کا پمفلٹ شائع کر کے ان کے جذبہ جہاد پر اوس گرا دی اور جو جذبہ اس وقت ان میں ابل رہا تھا۔ اس کا یہ اعلان ہوتے ہی کہ

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال
دین کے لیئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

فوراً ٹھنڈا پڑ گیا۔ ہندوستان کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔

مغلوں اور سکھوں کا دور حکومت بھی ہمارے پیش نظر ہے مسلمانوں پر سیاسی، معاشی، تمدنی، اخلاقی، روحانی اور دینی مظالم کے جو پہاڑ ٹوٹے اور امت مرحومہ جس سفاکیت، بہمیت اور بربریت کا نشانہ بنتی رہی اور اس کے دین اور اس کی عبادت گاہوں کی جو زجرو توبیخ ہوتی رہی وہ آج بھی درد دل رکھنے والے مسلمانوں کو خون کے آنسو رولاتی ہے۔ مغل اعظم شہنشاہ جلال الدین اکبر نے محض ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر دین اسلام کو ترک کر کے ایک نئے دین "دین الٰہی" کی ایجاد کی۔ محلات کو ہندوؤں کے بھگوانوں کے بتوں سے زینت بخشی۔ گوکشی ممنوع قرار دی اور سور کا درشن علی الصبح

کرنا نیک شگون قرار دیا۔ مغل فرمانروا کی حضور میں سجدہ تعظیمی لازمی قرار دیا۔ ماتھے پر قشقہ لگانا ضروری ہوگیا۔ اور شعائر اسلامی کی چھٹی کر دی۔ اکبر کے نور رتنوں میں ابوالفضل اور فیضی جیسے دو بھائی عالم و فاضل بیٹھے ہوتے تھے۔ اس وقت ہندوستان میں علماء اور مشائخ بھی موجود تھے۔ اکبر کی فوج میں مسلمان کثرت سے تھے۔ اور فوج کے کماندار بھی مسلمان بکثرت تھے۔ دین اسلام کی عملاً بیخ کنی شروع ہو گئی تھی۔ میرا ڈاکٹر غازی اور تمام دشمنان تحریک احمدیہ سے یہ سوال ہے کہ جناب والا ایسے پر آشوب دور میں مسلمانوں کا جذبہ جہاد کس کونے کھدرے میں سر چھپاتے بیٹھا تھا اور مسلمانوں نے اسلام کے خلاف اس کھلی بغاوت کو کیوں گوارا کیا۔ وہ کیوں اس بغاوت کو کچلنے کے لیئے سر پر کفن باندھ کر میدان کارزار میں نہ اتر پڑے۔ اور کیوں اس وقت تک دم نہ لیا جب تک اکبر کے دین الٰہی کا قلع قمع نہ کر لیا۔ ڈاکٹر غازی صاحب مسلمانوں میں دین اسلام کے لیئے جذبہ جہاد کے فقدان کی یہ پہلی مثال ہے جو ہمیں سولھویں صدی عیسوی کے اواخر میں ملتی ہے۔ اس سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان اسلام سے کوسوں دور جا چکے تھے۔ اور ان کے اندر دینی حمیت دم توڑ چکی تھی اور یہ کیفیت مسلمانوں میں باوجود حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ کی مساعی جمیلہ کے بدستور قائم رہی تا آنکہ اورنگزیب کی حکومت کا دور آگیا۔ اورنگزیب نے نفاذ نظام مصطفےٰ کی طرف بھرپور توجہ دی اور وہ اپنے اس مقصد میں کسی حد تک ضرور کامیاب ہوا۔ مگر اکبر اور جہانگیر کے دور حکومت میں ہندوؤں نے آزادی کا جو مزہ چکھ لیا تھا اس سے ان کی ساری سیاسی سوچ ہی بدل گئی اور وہ اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھنے لگے۔ جنوبی ہند میں سیوہ جی مرہٹہ ان کی امید گاہ بنا۔ اورنگزیب مرہٹوں سے برسرپیکار تھا کہ انتقال کر گیا۔ مسلمانوں کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ اورنگزیب کی جگہ سنبھالنے کیلئے دوسرا اورنگزیب میسر نہ آیا۔ اس کے تمام جانشین پرلے درجہ کے نالائق، کوتاہ بین اور رموز سلطنت سے قطعی نابلد تھے اور وہی ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزوں کے عروج کا سبب بنے۔ مہاراشٹر سے مرہٹہ فرمانروا بالا جی باجی رو ایک لشکر جرار لے کر دہلی کی طرف چڑھ دوڑا اور اکھنڈ بھارت کے پھریرے لہراتا پانی پت کے میدان میں آ پہنچا۔ اس وقت مسلمانوں پر جان کنی کی حالت طاری تھی۔ کچھ مسلمان صوبیداروں نے احمد شاہ ابدالی کی طرف فوجی امداد کے لیئے ہاتھ دراز کیئے۔ وہ مجاہد اعظم افغانستان سے آندھی کی طرح ہندوستان آن پہنچا۔ اور مرہٹوں کے آگے سینہ سپر ہوگیا۔ جنگ ہوئی تو اس کی فوج دشمن پر برق قہر کی طرح گری۔ مرہٹی فوج کے پشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اور بالا جی باجی رو نے اپنی مایہ ناز فوج کی بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بڑی مشکل سے جان بچا کر میدان سے بھاگ نکلا۔ مگر شکست کے صدمہ سے آگرہ کے مقام پر پران چھوڑ دیئے اور مسلمانوں کو ایک بہت بڑے دشمن سے نجات مل گئی۔

مگر اس فتح اور مسلم کش قوتوں سے نجات حاصل ہونے کے باوجود مسلمانان ہند خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے۔ ذہنی طور جو ذلت و نکبت ان پر چھا چکی تھی وہ بدستور قائم رہی اور مغلیہ تاجداروں کی کمزوری کے باعث جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے خود مختار حاکم اٹھ کھڑے ہوتے اور ایک دوسرے کے گلے کاٹنے کے لیئے شمشیرزنی کرنے لگے۔ انگریز نے ان کی باہمی پھوٹ سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے اپنے قدم مضبوط سے مضبوط کرتا چلا گیا حتیٰ کہ مغلیہ خاندان کا آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر محض اپنے محل کی حدود میں بادشاہ رہ گیا اور دہلی تک انگریز بالفعل حکمران ہوگیا۔ جب ہم اس دور کا تاریخ میں مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کہیں بھی جذبہ جہاد کار فرما نظر نہیں آتا اسلیئے وہ بات جو سرے سے کہیں موجود ہی نہ ہو اس کے بارے میں یہ فتویٰ صادر کرنا کہ وہ نا جائز یا حرام ہے ایک نہایت ہی مضحکہ خیز حرکت کہلائے گی۔

اب آئیے پنجاب اور صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں سکھوں

کے دور حکومت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ غازی صاحب نے غالباً اسلامیات میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ہے۔ تاریخ کا شاید مطالعہ نہیں کیا اور احمدیت پر محض مفروضوں کی بنا پر زہر چکانی کر رہے ہیں۔ میں انہیں مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس سلسلہ میں "تاریخ پنجاب" مرتبہ سید اصغر علی شاہ جعفری کا مطالعہ کریں۔ یہ تاریخ غزنوی سلاطین سے شروع ہو کر پنجاب پر انگریزوں کے قبضے پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں انہیں جذبہ جہاد سے سرشار تحریکات سے بھی پوری آگاہی ہو جاتے گی اور مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی و بے حمیتی اور اباحتی زندگی کا بھی اندازہ ہو جاتے گا۔ میرا تو یہ پختہ ایمان ہے کہ اگر مسلمان خدا اور رسول صلعم کے وفادار رہتے اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہتے تو روز قیامت تک وہ جملہ اقوام عالم پر غالب اور حکمران رہتے اور غلامی کا طوق لعنت ان کے گلے میں کبھی نہ پڑتا۔ غلامی کے منحوس دن ان کا مقدر محض اسلیئے بنے کہ انہوں نے دنیا میں خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جینا اور مرنا چھوڑ دیا اور مال دنیا سے ایسے چمٹے جیسے گدھ مردار کو چمٹتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کہا تھا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی مسلمانوں کو لے ڈوبی۔ غازی صاحب نے اس نکتہ پر کیوں غور نہیں کیا کہ جو قوم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی کی مرتکب ہو اور محض نام کی مسلمان کہلاتی ہو۔ کیا وہ جذبہ جہاد سے سرشار رہ سکتی ہے اس کا جواب لازماً نفی میں ہو گا۔ جو قوم مال دنیا کی بھوکی اور نفسانی خواہشات کی غلام اور دین اسلام کے اوامر و نواہی سے غافل اور لاپرواہ ہو وہ اگر مورد عذاب الٰہی نہ ٹھہرے گی تو کیا اس پر جنت کے دروازے کھولے جائیں گے۔ سنو اور خوب کان کھول کر سنو کہ سکھ جیسی وحشی قوم نے پنجاب پر قبضہ جماتے ہی مسلمانوں پر جو تباہی مچائی۔ جو ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی۔ جو دین کی بے حرمتی کی۔ جو مساجد اور مقابر اسلامی کی بے حرمتی کی اور جو چھوٹے چھوٹے قصوروں پر ان کا بہمانہ قتل عام کیا اس کا اندازہ اگر لگانا ہو تو ان مظالم کی لرزہ خیز داستانوں کو آنکھوں کے سامنے رکھو جو مشرقی پنجاب کے سکھوں نے اپنے راجوں اور مہاراجوں کی سوچی سمجھی سکیم کے تحت سامان حرب سے خوب لیس ہو کر وہاں کے لاکھوں مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ڈھاتے تھے۔ ہم نے ان ظالموں کے دور حکومت میں پنجاب کے کیا بلکہ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر پڑوسی اسلامی ممالک میں بھی کوئی جذبہ جہاد مسلمانوں میں نہیں دیکھا اور پنجاب میں مسلمانوں پر جو مظالم توڑے جا رہے تھے ان کا خاتمہ کرنے کے لیئے کوئی اسلامی فرماں روا پنجاب کا رخ نہ کر سکا۔ جہاد بالسیف کا یہی موزوں وقت تھا مگر کوئی ماں کا لال باہر نہ نکلا۔ بلکہ اس کے برعکس رنجیت سنگھ نے اپنے اثر و رسوخ کو عام کرنے کے لیئے اور دنیا کی ستائش حاصل کرنے کے لیئے دنیا کے مختلف ممالک سے روابط قائم کیئے۔ ان ممالک میں روس، ایران، برطانیہ، فرانس اور حیدر آباد دکن اور ہندوستانی انگریز شامل تھے۔ ۱۸۲۶ء میں درویش محمد خان نظام حیدر آباد دکن کی طرف سے چار گھوڑے ایک تلوار اور متعدد توپیں لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ اسی سال ہرات کے بادشاہ کامران کی جانب سے سیف خان تحائف لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ روسی، فرانسیسی اور ایرانی افراد کو تو اس نے اپنے دربار سے منسلک کر رکھا تھا۔ جب انگریز نے پنجاب پر قبضہ کیا۔ تو سب سے پہلے ہر فرد بشر کی جانی، مالی اور عزت کی حفاظت اپنے فرائض منصبی میں قرار دی اور ہر ایک شخص کو بلا امتیاز مذہب و ملت اپنے اپنے مذہب میں مکمل آزادی دی۔ بے شمار مساجد مسلمانوں کو واگذار کر دی گئیں۔ اس سلسلہ میں لاہور میں کارونیشن ڈے کی جو اسلامی رسمیں ہوئیں ان کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔ ۲۲ جون ۱۹۱۱ء کو ڈاکٹر اقبال سمیت بہت سے مسلمان شاہی مسجد پہنچے۔ جہاں پہلے ہی علماء کرام موجود

تھے اور ان کی تقاریر ہوئیں۔ خان محمد بشیر علی خان جنرل سیکرٹری انجمن اسلامیہ نے اپنی تقریر میں کہا:

" یہی شاہی مسجد کہ جس میں اس وقت یہ جلسہ ہو رہا ہے بطور اصطبل میگزین استعمال ہوتی تھی۔ مگر اب انگریزی حکومت میں وہ مسلمانوں کو عبادت کے لیئے واپس مل گئی ہے"۔ منشی محبوب عالم صاحب، جائنٹ سیکرٹری، مسلم لیگ و سیکرٹری جلسہ ھذا نے کہا۔

" بے شک ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں جمیع علوم موجود ہیں۔ فرمانبرداری، دنیا میں فساد نہ کرنا وغیرہ احکام اگر پالٹکس نہیں تو اور کیا ہیں؟ حدیث میں تاکید ہے کہ تمہارا بادشاہ اگر حبشی غلام بھی ہو تو بھی اس کی تابعداری کرو۔ اس کے بعد حضور ملک معظم کی عظمت و جبروت اور انگلستان کی سب سے بڑی "اسلامی سلطنت" ہونے کا ذکر کرتے ہوتے بتلایا کہ مسلمانان ہند بمقابلہ دیگر اسلامی ممالک کے مسلمانوں کے (یہاں) کس قدر امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں"

اس کے بعد علامہ اقبال کی انگریز بادشاہت کے حق میں تائیدی تقریر درج کرکے "پیسہ اخبار" نے لکھا۔

" پھر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر نے افریقہ کا ایک قصہ بیان کر کے اس کی تائید کی (اور کہا) ایک انگریز افسر نے وہاں کے وحشی باشندوں کو مہذب بنانے کیلئے ان میں اسلامی واعظ بھیجنے کی ہدایت کی کہ مسلمان نہ صرف مراعات حاصل کرنے کے لیئے سرکار کے وفادار ہیں بلکہ مذہباً وہ بادشاہ وقت کے وفادار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا آئیڈیل سلطنت نہیں بلکہ اپنے دین کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے اور حکومت انگریزی میں اس کی اجازت ہے"۔

(پیسہ اخبار، لاہور ۲۴ جون ۱۹۱۱ء)۔

ان حالات میں انگریز کے خلاف جہاد بالسیف کا تصور بھی کوئی ذی ہوش مسلمان نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ سکھوں کے زمانہ میں مسلمانوں پر بدرجہ اولیٰ فرض تھا کہ ایسی ظالم اور سفاک اور متشدد حکومت کے خلاف جنگ و جدل کیا جاتا۔ عجیب حیرت ہے کہ حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمتہ اپنے مٹی بھر مجاہدوں کے ساتھ سکھوں کے خلاف جہاد بالسیف کیلئے اٹھے۔ تو پنجاب اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے بڑی سرد مہری کا اظہار کیا اور وقت پڑنے پر پٹھان سکھوں سے مل گئے۔ اور خدا کے پیارے محبوب سے غداری کر گئے۔ یہ تلخ حقائق ہیں۔ ان سے چشم پوشی کر کے حضرت مرزا صاحب پر برسنا کوئی انصاف اور دیانتداری نہیں۔

ہم بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اس غیر اسلامی اور غیر قرآنی جہاد کو حرام قرار دیا تھا جو دین کی روح سے ناواقف مسلمانوں کا اختراع کردہ تھا۔ ورنہ جہاد قرآنی کے تو وہ عمر بھر علمبردار رہے۔ اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ مسلسل جہاد میں گذرا تھا۔ اسلام کبھی اپنی تبلیغ کے سلسلے میں تلوار کا محتاج نہیں ہوا۔ مسلمانوں نے تلوار حفاظت دین کیلئے دشمن کی حربی قوتوں کے مقابلے میں ضرور اٹھائی۔ مگر اس سلسلہ میں کبھی پہل نہیں کی۔ انگریز کی ہندوستان میں جب حکومت قائم ہو گئی تو ہر مذہب و ملت کو پوری آزادی اپنے دین پر عمل پیرا ہونے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی حاصل ہو گئی۔ لہذا سیفی جہاد کی ضرورت نہ رہی۔ البتہ سیفی جہاد کی ضرورت سکھوں کے خلاف ضرور تھی۔ جنہوں نے دین اسلام اور مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو تباہ و برباد کرنے میں کچھ بھی دریغ نہ کیا۔ مگر خدا جانے اس زمانہ میں سیفی جہاد کے قائل علماء اصحاب کہف کی طرح کس غار میں اپنی چند روزہ زندگی کی خاطر دبک کے سو گئے تھے۔

پہلے ہم سیفی جہاد کے متعلق قرآن شریف سے رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں کیا احکام نازل فرمائے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ۔ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ (الحج ۲۲ : ۳۹، ۴۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان مظلومین کی جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے فریادسن

لی اور اب ان کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن اس جنگ پر بھی دو پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ (۱) قَاتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (البقرہ ۲ : ۱۹) یعنی اللہ کے رستے میں قتال کرو ان لوگوں سے جو تمارا قتل کرتے ہیں۔ (۲) اور حد سے ہرگز نہ بڑھنا۔ کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اب اس جگہ اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا ہے کہ یہ جنگ جنگ مدافعت ہے اور یہ جنگ مدافعت کب اور کہاں ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے متعلق فرمایا قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ (البقرہ ۲ : ۱۹۳) یعنی جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ کا خاتمہ ہو جائے۔ یعنی مسلمانوں کی ایذا رسانی کا سلسلہ بند ہو جائے اور دین خالص اللہ کے لیئے ہو جائے یعنی مذہبی آزادی پورے طور پر حاصل ہو جائے۔ اب ظاہر ہے کہ ان قرآنی احکام کی رو سے انگریزی حکومت کے زمانہ میں سیفی جہاد کی جملہ وجوہ معدوم تھیں۔ اسلیئے ایسا جہاد چونکہ مسلمانوں کی مزید تباہی کا ہی باعث بنتا حرام قرار دیا گیا۔ لیکن اس سیفی جہاد کی حرمت کا فتویٰ دینے میں صرف حضرت مرزا صاحب ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ سلسلہ احمدیہ کے مخالف علما بھی یہی موقف رکھتے تھے۔ اور عہد حاضر کے مسلم دانشور اب بھی جہاد کا وہی تصور رکھتے ہیں جو حضرت مرزا صاحب نے اپنے زمانہ ماموریت میں پیش کیا تھا۔ عہد ماضی کے چند علما۔ کی تحریرات اور فتاویٰ قارئین کے مطالعہ کیلئے حاضر ہیں۔

ریاست رام پور کے مولوی محمد حسن صاحب جو حضرت سید محمد اسمٰعیل شہید کے پیرو تھے۔ فرمایا:۔

"جنگ جہاد نہیں ہے۔ جنگ قتال کہلاتی ہے اور یہ کبھی کبھار واقع ہوتی ہے۔ جہاد اس کوشش کا نام ہے جو کلام الہیٰ کی تبلیغ کے لیئے کی جاتی ہے۔ اور یہ مدت دراز تک جاری رہتا ہے۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ آپ قتال کو جہاد قرار دیتے ہیں"

(سوانح احمدی، صفحہ ۱۰۸)

معروف زمانہ مولوی چراغ علی صاحب نے اپنی ایک تصنیف انگریزی زبان میں جہاد کے موضوع پر ۱۸۸۸ء میں شائع فرمائی اس میں لکھا۔

"جہاد سے مراد جنگ کرنا نہیں ۔۔۔ میرا کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ قرآن میں لڑائی یا جنگ کرنے کے بارے میں احکام نہیں ہیں۔ اس میں بہت سی آیات ہیں۔ جو آنحضرت صلعم کے پیروؤں کو دفاعی جنگ کا حکم دیتی ہیں۔ لیکن جارحیت کے لیئے نہیں۔ قتل اور قتال کے الفاظ نمایاں طور پر اس کو ظاہر کرتے ہیں۔"

(جہاد شائع کردہ کریم سن کراچی ۱۹۷۷ء۔ صفحہ ۱۹۲)

مولانا سید سلیمان ندوی کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

"جہاد کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے۔ جہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے۔ جہاد اور مجاہدہ فعال اور مفاعلت کے وزن پر اسی جہد سے مصدر ہیں۔ اور لغت میں اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ اسی کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنی بھی ہیں۔ یعنی حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لیئے ہر قسم کی جدوجہد۔ قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی و مالی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں۔ اس راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے لیئے اپنی، اپنے عزیز و اقارب کی، اہل و عیال کی، خاندان اور قوم کی جان تک کو قربان کر دینا۔ اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا، ان کی تدبیروں کو رائگاں کرنا، ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لیئے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لیئے بھی پوری طرح تیار رہنا یہی جہاد ہے۔"

کچھ تھوڑا آگے چل کر آپ نے لکھا ہے۔

"یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ اگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال دونوں ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ قرآن پاک میں دونوں لفظ الگ الگ استعمال ہوتے ہیں۔ اسلئے جہاد فی سبیل

اللہ اور قتال فی سبیل اللہ ان دونوں لفظوں کے ایک معنی نہیں ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے یعنی ہر جہاد قتال نہیں ہے بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں سے لڑنا بھی ہے۔ اسی لیئے قرآن پاک نے ان دونوں لفظوں کے استعمال میں ہمیشہ فرق ملحوظ رکھا ہے۔"

(سیرت النبی جلد پنجم ص ص ۳۳۴، ۳۳۶)

غلام احمد پرویز صاحب مرحوم نے یوں اظہار خیال کیا۔

"قتال بھی جہاد میں شامل ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ جہاد کا آخری مقام ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جہاد کا مطلب ہمیشہ قتال نہیں ہوتا۔ ایک سچے مومن کی ساری زندگی ہی جہاد ہوتی ہے۔"

(معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۸۸)

ڈاکٹر غازی صاحب شاعر مشرق علامہ اقبال کو ایک مسلمہ اتھارٹی تسلیم کرتے ہیں اور ان کے ارشادات کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ اسلیئے جہاد کے مسئلہ پر ان کی رائے بھی ہم معلوم کرتے ہیں۔ انہوں نے قرآنی تعلیم کی رو سے جہاد کے مسئلہ کی یوں وضاحت فرمائی:-

"معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دور ترقی میں جنگ کا حامی ہے۔ غلط ہے۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کی حدود معینہ ہوتے ہوتے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جاتے اور ان کو گھروں سے نکالا جاتے۔ مسلمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (حکم نہیں) دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے ۹ : ۲۹ میں بیان ہوتی ہے۔۔۔ جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوا میں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لیئے جنگ کرنا، دین اسلام میں حرام ہے۔ علی ھذہ القیاس دین کی اشاعت کے لیئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔"

(اقبال نامہ حصہ اول مکتوب اقبال ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ صفحہ ۲۰۱)

اب ھندی مسلمانوں کے محسن اعظم سر سید احمد خان صاحب مرحوم کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:-

"صرف دو صورتوں میں اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہے۔ ایک اس حالت میں جب کہ کافر اسلام کی عداوت سے اور اسلام کے معدوم کرنے کی غرض سے، نہ کسی ملکی اغراض سے، مسلمانوں پر حملہ آور ہوں کیونکہ ملکی اغراض سے جو لڑائیاں واقع ہوں خواہ مسلمان، مسلمانوں میں، خواہ مسلمان، کافروں میں، وہ دنیاوی بات ہے۔ مذہب سے کچھ تعلق نہیں۔ دوسرے جب کہ اس ملک یا قوم میں مسلمانوں کو اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں۔ ان کے جان و مال کو امن نہ ملے اور فرائض مذہبی کے ادا کرنے کی اجازت نہ ہو۔"

اب آخر میں ہم حضرت مرزا صاحب کا سیفی جہاد کے بارے میں نظریہ پیش کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا:-

"قرآن مجید صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور اس بات سے کہ خدا تعالیٰ کی حکموں پر کاربند ہوں۔ اور اس کی عبادت کریں اور ان لوگوں سے لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں۔ مومن پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں۔"

(نور الحق حصہ اول صفحہ ۴۵)

اپنی تصنیف منیف "ایام الصلح" کے صفحہ ۵۰ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:-

"یہ دن۔ دین کی حمائیت کے لیئے لڑائی کے دن نہیں ہیں۔ کیونکہ ہمارے مخالفوں نے بھی کوئی حملہ اپنے دین کی اشاعت میں تلوار اور بندوق سے نہیں کیا۔ بلکہ تقریر اور قلم اور کاغذ سے کیا ہے۔ اس لیئے ضروری ہے کہ ہمارے حملے بھی تحریر اور تقریر تک

محدود ہوں۔"

حضرت اقدس نے سرکار انگریزی کے خلاف سیفی جہاد کو کیوں ممنوع اور حرام قرار دیا تھا۔ اس کی وجہ خود ان کی زبانی سماعت فرمائیے۔ حضور نے اپنے رسالہ "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" میں فرمایا:-

"ابھی بہتیرے ایسے لوگ زندہ ہیں جنہوں نے کسی قدر سکھوں کا زمانہ دیکھا ہوگا۔ اب وہی بتائیں کہ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں اور اسلام کا کیا حال تھا۔ ایک ضروری شعار اسلام کا جو بانگ نماز ہے وہی ایک جرم کی صورت میں سمجھا گیا تھا۔ کیا مجال تھی کہ کوئی اونچی آواز میں بانگ کہتا۔ اور پھر سکھوں کے نیزوں اور برچھیوں سے بچ رہتا۔ تو اب کیا خدا نے یہ برا کام کیا کہ جو سکھوں کی بے جا دست اندازیوں سے مسلمانوں کو چھڑا دیا۔ اور گورنمنٹ انگریزی کی امن بخش حکومت میں داخل کیا اور اس گورنمنٹ کے آتے ہی گویا نئے سرے سے مسلمان مشرف باسلام ہوتے چونکہ احسان کا عوض احسان ہے۔ اس لیئے نہیں چاہیئے کہ ہم اس خدا کی نعمت کو جو ہزاروں دعاؤں کے بعد سکھوں کے زمانہ کے عوض ہم کو ملی ہے یوں ہی رد کر دیں۔"

ہم نے گذشتہ صفحات میں علما و فضلا، عمائدین ملت اسلامیہ، مشاہیر اور اسلامی دانشوروں کی تحریرات سے بفضل خدا پوری طرح ثابت کر دیا ہے کہ انگریزی حکومت سے وفاداری اور اس کے خلاف کسی قسم کا سیفی جہاد نہ کرنے کے سلسلہ میں وہ کلہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ہم خیال اور ہم نوا تھے۔ اسلیئے ڈاکٹر ایم اے غازی کے دونوں الزام جو اس نے حضرت اقدس پر لگاتے ہیں بے اصل اور بے بنیاد اور سر تا پا جھوٹ پر مبنی ہیں اور حضرت مرزا صاحب کا انگریزوں کا جاسوس اور ایجنٹ ہونے کا قصہ ڈاکٹر غازی اور اس کے ہمنوا مخالف علماء کا خود ساختہ اور خانہ زاد ہے جس کا حقیقت سے دور کا تعلق نہیں۔

ہم قارئین کی توجہ اصل حقیقت کی طرف مبذول کرانی ضروری سمجھتے ہیں۔

ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ انگریز کو مسلمانوں کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ جس کا نقشہ کچھ یوں ہے۔

(۱) اس نے انگریز کو قدم قدم پر اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

(۲) اس کی عملداری کو اپنے لیئے ابر رحمت سمجھا۔

(۳) اس کو کامل مذہبی آزادی حاصل ہوئی۔ جان مال آبرو کی مکمل حفاظت نصیب ہوئی۔

(۴) دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت اور اس کی مدافعت و حفاظت کے زریں مواقع میسر آئے۔

(۵) اس نے انگریزی حکومت اور تاج برطانیہ کی شان میں قصیدے لکھے۔

(۶) انگریزی فوج میں لاکھوں کی تعداد میں بھرتی ہو کر دنیا کے دور دراز محاذوں میں انگریز دشمن طاقتوں سے معرکہ آرا ہوئے۔

(۷) تاج برطانیہ کی خاطر اسلامی ممالک سے بھی جنگیں لڑیں۔ اور ان ممالک کو مغلوب اور فتح کر کے انگریزوں کے قبضہ میں دیا اور اس سلسلہ میں اپنے کلمہ گو مسلمان بھائیوں کا گلا کاٹنے سے بھی دریغ نہ کیا۔

(۸) انگریز کو اپنی وفاداری، جاں نثاری اور سرفروشی سے اس قدر خوشنود کیا کہ اس سے سر، نواب، خان بہادر، شمس العلماء کے خطابات بھی پائے اور جاگیریں بھی انعام میں ملیں۔ پہلا وکٹوریہ کراس بھی مسلمان فوجی کو عطا ہوا۔ ان مراعات، خطابات، انعامات اور اعزازات کو پانے والے تمام مسلمان ہی تھے۔ ان کے بالمقابل حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو جن مراعات سے انگریز نے نوازا تھا اس کی تفصیل آج تک کسی مخالف عالم اور اہل قلم نے نہیں دی اور نہ وہ قیامت تک دے ہی سکتے ہیں۔

کیونکہ نہ حضرت مرزا صاحب انگریز کے ایجنٹ تھے اور نہ ہی

خوشنادی۔

آپ نے انگریز کی پر امن حکومت کی ضرور تعریف کی جو مذہبی آزادی اس کے زمانہ حکومت میں مسلمانوں کو میسر آتی اس کا کھلے بندوں اعتراف کیا اور اس کے خلاف سیفی جہاد کو ناجائز قرار دیا۔ مگر یہ آپ ہی کی ذات گرامی تھی جس نے ملکہ وکٹوریہ کو ان الفاظ میں دعوت اسلام دی۔

"اے ملکہ! توبہ کر اور اس خدا کی اطاعت میں آ جا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک اور اس کی تحمید کر۔ اے زمین کی ملکہ۔ اسلام قبول کر تاکہ تو بچ جائے۔۔۔ آ۔۔۔ مسلمان ہو جا!"

(آئینہ کمالات اسلام، صفحہ ۵۳۲)

انگریز کی حکومت قائم ہوتے ہی عیسائی پادری حکومت کی سرپرستی میں فوج در فوج سرزمین ہند پر داخل ہو گئے اور زبان، قلم اور کاغذ سے دین اسلام پر ایسے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ جن کی تاب نہ لا کر تمام علماء ظواہر گوشہ نشین ہو گئے اور مسلمانوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ انگریز اور یورپین پادریوں کے مقابلے میں جو مقامی باشندے عیسائیت قبول کر کے پادری بنے وہ اسلام اور مسلمانوں کے بد ترین دشمن ثابت ہوئے۔ انہوں نے ضابطہ اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر حضرت بانی اسلامؐ کے خلاف وہ دریدہ دہنی اور ہرزہ سرائی سے کام لیا کہ غیور مسلمانوں کے جگر پارہ پارہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا پڑھا لکھا طبقہ عیسائی پراپیگنڈا سے زیادہ متاثر ہوا۔ اور وہ اسلام کو خیرباد کہہ کر حلقہ بگوش عیسائیت ہونے لگا۔ مخالفانہ پراپیگنڈا کے علاوہ پوادر نے اور دجالی حیلے بھی مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیئے استعمال کیئے۔ زر، زن اور زمین کی ترغیبات بھی دی گئیں۔ اور مسلمان قوم کی حالت حالی کی مسدس کے اس بند کے عین مطابق ہو چکی تھی۔

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے
گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی
پڑے ہوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

علماء ظواہر کا ایسے پر آشوب دور میں بھی باہم فرقہ وارانہ تکفیر بازی کا مشغلہ زوروں پر تھا۔ ان کی بلا سے اگر اسلام پر کوئی آنچ آتی ہے یا مسلمان راہ ارتداد اختیار کرتے ہیں۔ انہیں تو حلت زاغ و زغن کی لڑائی سے فرصت نہ تھی۔ پادریوں کے پاس تبلیغ کے تمام ممکنہ وسائل وافر حد تک موجود تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمان قوم بے وسیلہ اور منتشر تھی۔ پادری لیفرائے انگلستان سے یہ عزم اور پروگرام لے کر بمبئی کے ساحل پر اترا تھا کہ چند برسوں میں مسلمانوں کے ہلالی پرچم کی جگہ خداوند یسوع مسیح کا صلیبی پرچم ہندوستان کے طول و عرض میں لہرائیگا۔ اور دہلی کی شاہی مسجد خدائے واحد کی جگہ تین خداؤں کی عبادت گاہ بنا دی جائے گی۔ سیاسی طور پر انگریز پوری طرح مطمئن تھا کہ اس کے خلاف ایک لمبے عرصہ تک نہ ہندو اور نہ مسلمان الگ الگ یا باہم مل کر عام علم بغاوت بلند کریں گے۔ اس کی گرفت بڑی جابرانہ تھی اور اس نے ہر کہہ او مہ کو شکنجوں میں خوب کس لیا ہوا تھا۔ مگر وہ خوب جانتا تھا کہ اس کا سیاسی استحکام اور تاج برطانیہ کا ہندوستان میں دائمی استقلال صرف اس امر پر منحصر تھا کہ یہاں کی آبادی کا معتدبہ حصہ دین عیسوی اختیار کر لے۔ اسی مقصد کے پیش نظر پادریوں کی افواج بھی اپنے ملک اور یورپ سے منگوائیں۔ اور ہندوستان کے طول و عرض میں تبلیغ عیسائیت کا جال پھیلا دیا پوادر نے مسلمانوں کے کمزور اور غیر اسلامی عقائد کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور ان پر ایسے پے بہ پے حملے کیئے کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور اعلیٰ نسل کے مسلمان گھرانے بھی دھڑا دھڑ عیسائی ہونے شروع ہو گئے۔ پادریوں کی دجالیت پورے زوروں پر تھی۔ دوسری اقوام بھی ان کے دام تزویر میں پھنسنی شروع ہو گئیں۔

مسلمان علماء باہم تکفیر بازی کے مقدس فریضہ میں مصروف تھے۔ یہ سب کو خبر تھی کہ پادریوں کو حکومت نے مقرر کیا ہے ان کو تنخواہ دی جاتی ہے اور دیگر اخراجات اور تقسیم کتب کے لیئے بڑی بڑی رقوم حکومت کے خزانے سے صرف ہو رہی ہیں اور وہ ان کی ہر طرح مددگار اور معاون ہے حکام شہر اور فوج کے افسر ماتحتوں سے مذہبی گفتگو کرتے تھے۔ اپنی کوٹھیوں پر بلا بلا کر پادریوں کے وعظ سنواتے تھے۔ غرضیکہ اس منصوبہ نے یہاں تک ترقی کی کہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس حکومت کی عملداری میں ہمارا اور ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔

(تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو "اسباب بغاوت ہند" از سرسید احمد خان)

ہندوستان کو عیسائی بنانے کا منصوبہ اور اس کی حکمت عملی کا تانا بانا سب کچھ انگلستان میں ہی بنایا گیا تھا۔ اور یہ برطانوی پارلیمنٹ کی بنیادی پالیسی کا اہم جزو تھا۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے رکن مسٹر مینگلس نے ۱۸۵۷ء میں اپنی ایک تقریر میں کہا:

"خداوند نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی مملکت، انگلستان کے زیر نگیں ہے تاکہ یسوع مسیح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت پورے ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیئے۔ اور اس میں کسی طرح تساہل نہیں کرنا چاہیئے۔"

(بحوالہ سید میاں محمد، ناظم، جمیعت العلماء ہند۔ در کتاب علماء حق)

۱۸۶۳ء میں انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن اور وزیر ہند چارلس وڈ کی خدمت میں ایک وفد پیش ہوا جس میں دارالعوام اور دار الامراء کے ارکان اور دوسرے بڑے بڑے لوگ شامل تھے اور انگلستان کے بڑے پادری آرچ بشپ آف کینٹربری نے وفد کی سربراہی کی۔ وزیر ہند نے اس وفد کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"میرا یہ ایمان ہے کہ ہر وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے۔ انگلستان کے ساتھ ایک نیا رابطہ اتحاد بنتا ہے۔ اور ایمپائر کے استحکام کے لیئے ایک نیا ذریعہ ہے"

اس کے بعد وزیر اعظم نے یوں گل افشانی کی:-

"میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنے مقصد میں ایک زبان ہیں۔ یہ محض ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ خود ہمارا مفاد بھی اس امر سے وابستہ ہے کہ ہم عیسائیت کی تبلیغ کو جہاں تک بھی ممکن ہو فروغ دیں اور ہندوستان کے کونے کونے میں اسے پھیلا دیں۔"

(دی مشنز۔ مصنفہ ار کلارک ۱۹۰۴ء۔ صفحہ ۲۳۴)

۱۸۶۴ء میں ہینری لارنس کو ہندوستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے بنا دیا گیا۔ یہ شخص عیسائیت کی اشاعت میں دیوانہ وار کوشش کرنا اپنا سیاسی فرض سمجھتا تھا اور وہ اس نظریے کا پرجوش حامی تھا کہ

"غدر کے بھڑکانے میں سب سے بڑا یہ سبب تھا کہ برطانیہ نے حسب عادت اپنے مذہب کے معاملہ میں بزدلی دکھائی۔"

(پنجاب اینڈ سندھ مشن صفحہ ۲۹۴۰، سنہ ۱۸۸۵ء۔ آر کلارک)

"ہینری لارنس ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۹ء تک ہندوستان میں برسر اقتدار رہا اور اس نے اس زمانہ میں بھی عیسائیت کے پھیلانے کی بھرپور جدوجہد کی۔"

(بشارت الهندو پاکستان از پادری خورشید عالم صفحہ ۱۶۵)

اب ہم ۱۸۸۸ء کے دور میں آتے ہیں۔ اس وقت صوبہ پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر چارلس ایچی سن تھا۔ اس نے شملہ کے مقام پر عیسائی پادریوں کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"جس رفتار سے ہندوستان کی عام آبادی بڑھ رہی ہے اس سے چار پانچ گنا تیز رفتار سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے۔ اور اس وقت ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔"

(دی مشنز، آر کلارک)

ان ہوش ربا حالات میں معمولی دل و دماغ اور علم و معرفت کا شخص اس سیلاب بلاخیز کے روکنے کا عزم نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیئے بڑے جگر گردہ اور حوصلے، بڑی جرات، بڑے علم اور مذاہب عالم کے تقابلی مطالعے کی وسیع واقفیت بڑی معرفت اور زندہ ایمان کی ضرورت تھی۔ جیسا کہ میں گذشتہ اوراق میں معاصرین حضرت مرزا صاحب کی تحریرات سے ثابت کر آیا ہوں۔ عیسائیت کے اس طوفان کے آگے صرف اور صرف حضرت اقدس کی ذات گرامی اور آپ کی پیدا کردہ مخلصین کی جماعت ہی نے سدِ سکندری کھڑی کر دی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس وقت یہ اقدام حکومت کے مخصوص مفادات سے صریح بغاوت کے مترادت تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سید میاں محمد سابق ناظم جمعیت العلماء ہند رقمطراز ہیں:

"رد عیسائیت بظاہر ایک واعظانہ اور مناظرانہ چیز ہے جس کو سیاست سے بظاہر کوئی تعلق نہیں لیکن غور کرو جب حکومت عیسائی گر ہو جس کا نقطہ نظر ہی یہ ہو کہ ساری ہندوستان عیسائی مذہب اختیار کرے اور اس کی تمنا دلوں کے پردوں سے نکل کر زبانوں تک آ رہی ہو اور بے آئین اور جابر حکومت کا فولادی پنجہ اس کی امداد کر رہا ہو تو یہی تبلیغی اور خالص مذہبی خدمت کس قدر سیاسی اور کتنی زیادہ سخت اور صبر آزما بن جاتی ہے۔ بلاشبہ رد عیسائیت کے سلسلہ میں ہر ایک مناظرہ ہر ایک تبلیغی تصنیف اغراض حکومت سے سراسر بغاوت تھی (علماء، حق صفحہ ۲۶)

اب ڈاکٹر غازی اور ان کے ہمنوا بتائیں کہ انگریز کے خلاف یہ علم بغاوت کس نے بلند کیا۔ کس نے کسر صلیب کے کٹھن فرض کو کماحقہ ادا کر کے انگریز کے عزائم کو خاک میں ملا دیا اور اسلام کی مدافعت اس شاندار اور فاتحانہ انداز سے کی۔ کہ تمام دشمنوں کی سٹی گم ہو گئی۔ اور عیسائی منادوں کو ہدایات جاری ہو گئیں کہ احمدیوں سے قطعاً کوئی بحث مباحثہ نہ کیا جائے۔ حضرت مرزا صاحب نے تن من دھن سے اس دجالی فتنہ کی سرکوبی کی اور ہر میدان میں ہر دشمن دین اسلام کو شکست فاش دی۔ یہ کامیابی اور کامرانی صرف کسی موید من اللہ کو ہی حاصل ہو سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا:-

لوائے ما پناہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد
رسید مژدہ زغیبم کہ من ہماں مردم
کہ او مجدد ایں دین و رہنما باشد
منم مسیح ببانگ بلند می گویم
منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

اگر ہمارے ان مخالفوں نے خدا تعالیٰ کی تجلیات سے کچھ حصہ پایا ہوتا تو کسر صلیب کے اس عظیم الشان کارنامہ کو ہی دیکھ کر ان کا دل پکار اٹھتا کہ یہ شخص کاذبوں کا روپ نہیں بلکہ صادقوں کا نور اپنے وجود میں رکھتا ہے۔ عیسائی لٹریچر کا مطالعہ کر لو۔ آپ کو صاف نظر آ جائیگا کہ وہ اگر کسی تحریک سے خوفزدہ ہیں تو وہ صرف احمدیہ تحریک ہے۔ باقی کسی اسلامی تحریک کو وہ خاطر میں نہیں لاتے۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے عیسائیت کا گلا اسی دن دبا دیا تھا جس دن اس نے ساری دنیا میں مشتہر کر دیا کہ عیسائیوں کا خدا یعنی خداوند یسوع مسیح عام انسانوں کی طرح موت کا پیالہ پی چکا ہے اور کفارہ کا عقیدہ قطعاً باطل اور بے دلیل ہے۔ مگر ہمارے مخالف علماء نے بار بار دشمنان اسلام پادریوں سے گٹھ جوڑ کیا تاکہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کامیابی نصیب نہ ہو۔

ایم اے غازی کہتا ہے کہ مرزا غلام احمد انگریز کا ایجنٹ تھا۔ اچھا ایجنٹ تھا کہ انگریز کے خدا کو مار دیا۔ اور اعلان کیا کہ

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

اور ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام دی۔ اور انگریز کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ اے خدا کے بندو! کچھ تو خوف خدا کرو۔ جس شخص نے

ضمیر فروشی کر کے کسی قوم یا حکومت کا ایجنٹ بنا ہوتا ہے وہ اپنی قوم کو وہ بات نہیں کہتا۔ جو اس کے مزاج اور دین کے خلاف ہو۔ وہ اپنی مقبولیت بڑھانے کے لیئے اپنی قوم کے مزاج کے مطابق چلتا ہے اور جس کا ایجنٹ ہوتا ہے اس کے مفادات کے خلاف بھی زبان نہیں کھولتا۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے تو سنت انبیاء پر عمل کیا اور ہربات جو خراب تھی اور اسلام کی کمزوری کا باعث تھی اس کو بلا خوف لومتہ لائم کہہ ڈالا اور اپنی قوم اور اپنے علماء ظواہر کی مخالفت کو پر کاہ کی بھی وقعت نہ دی۔ اسی طرح انگریز کی پر امن حکومت کی تعریف ضرور کی مگر اس کے مذہب کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور اپنے مہدی وقت ہونے کا اعلان کر کے انگریز کو اور چوکنا کر دیا کیونکہ وہ پہلے ہی مہدی سوڈانی کے ہاتھوں سخت ہزیمت اٹھا چکا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ رئیس المکفرین مولوی محمد حسین بٹالوی نے بذریعہ ایک خفیہ میموریل کے انگریز کو خبردار کیا کہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی امام مہدی ہونے کا دعویدار ہے اور مسلمان ایک خونی مہدی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے اسی مہدی کا دعویٰ کیا ہے اور آہستہ آہستہ جمیعت اکٹھی کر رہا ہے۔ جونہی یہ قوت پکڑے گا۔ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا اور حکومت برطانیہ کا تختہ الٹ دے گا اسلیئے اس کا ابھی سے فوراً قرار واقعی بندوبست ہونا چاہیئے اور اسے گرفتار کر کے اس کی جماعت کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ میں کسی مہدی کے آنے کا قائل نہیں اور ان تمام احادیث کو جو ظہور مہدی کے بارے میں ہیں مجروح سمجھتا ہوں اور میں حکومت برطانیہ کا بدل و جان خیر خواہ اور وفادار ہوں۔ میں نے حکومت کو بروقت مرزا غلام احمد کے عزائم سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھا ہے اور امید کرتا ہوں کہ میری اس خدمت کے صلہ میں حکومت مجھے اراضی کے مربعوں سے نوازے گی۔ چنانچہ انگریز نے ان کو مربعے عطا کیئے اور حضرت مرزا صاحب پر سی آئی ڈی کے ذریعہ نگرانی سخت کر دی اور آپ کے بارے میں تحقیقات کے لیئے خفیہ ہدایات جاری کر دیں۔ حضرت مرزا صاحب کو مولوی محمد حسین کے اس رسالہ کی خبر نہ تھی جو اس نے پوشیدہ طور پر گورنمنٹ کو دیا تھا۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء کی ایک شام کے وقت ایک کپتان پولیس بمعہ رانا جلال الدین خان انسپکٹر پولیس ایک دستہ پولیس کے سپاہیوں کا لے کر قادیان آ دھمکا اور حضرت مرزا صاحب کے گھر کو گھیر لیا اور خود بمعہ رانا جلال الدین مسجد کی چھت پر چڑھ آیا وہاں حضرت اقدس موجود تھے۔ اس نے اپنے آنے کی غرض بتائی۔ آپ نے نہائیت متانت سے فرمایا آپ ہمارے گھر کی بخوشی تلاشی لیں۔ ہمیں مغرب کی نماز پڑھ لینے دیں۔ اس کے بعد آپ اپنا فرض ادا کریں اور فرمایا ہم نے خونی مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ نہ ہم دین میں جبر کے قائل ہیں۔ اسلام اپنی خوبیوں کی بنا پر دنیا میں پھیلا ہے کسی جبر اور تلوار کے زور سے نہیں۔ گورنمنٹ انگریزی کے دلی خیر خواہ ہیں اور اس کے احسان مند ہیں کہ اس نے امن و امان بخشا اور پوری مذہبی آزادی دی۔ ہم اپنے دین پر نہ صرف عمل پیرا ہونے میں آزاد ہیں بلکہ اس تبلیغ اور اشاعت میں بھی ہمیں پوری آزادی حاصل ہے۔ آپ نے مولانا عبدالکریم سیالکوٹی مرحوم کی اقتدا میں باقی مخلصین کے ہمراہ نماز ادا کی۔ کپتان پولیس انگریز تھا۔ نماز کا نظارہ دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ اور جب حضرت اقدس نے گھر کی تلاشی کیلئے کہا۔ تو اس نے جواب دیا۔ اس کی اب ضرورت نہیں رہی۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ حکومت کو رپورٹ بالکل غلط پہنچی ہے اور یوں مولوی محمد حسین کی خدا تعالیٰ کے ہاں روسیاہی ہو گئی۔ مگر یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ سرکار انگریزی کا ذہن حضرت مرزا صاحب کے بارے میں ہمیشہ غبار آلود رہا۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود سعی بسیار کے انگریز نے آپ کی آبائی جاگیر جو اس نے ضبط کر لی ہوتی تھی واگذار نہ کی اور نہ اس کے بدلہ میں ایک انچ زمین کسی اور جگہ عطا کی۔ قصہ کوتاہ ڈاکٹر غازی کے جملہ الزامات بے حقیقت، بے بنیاد اور فتنہ انگیز ہیں۔ ان کے برعکس آپ کی خدمات دینیہ آب زریں سے لکھی جا چکی ہیں اور تاریخ کا ایک روشن باب بن چکی ہیں۔

معارف الحق کا مختصر تعارف

معارف الحق جلد اول مجموعہ مضامین حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب، شائع کردہ دار الاشاعت کتب اسلامیہ، فاطمہ بائی کورٹ، چوتھی منزل، ۱۷ مولانا آزاد روڈ، جیکب سرکل، بمبئی ۴۰۰۰۱۱، انڈیا۔ صفحات ۳۱۹۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھیؒ، (پیدائش ۱۸۸۸ء، وفات نومبر ۱۹۷۷ء) احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ایک عظیم مبلغ، مفسر قرآن، عالم مذاہب عالم، فاضل سنسکرت، عبرانی اور دیگر مذہبی زبانیں، اور بلند پایہ مصنف و محقق تھے۔ آپ ایک مشہور اور کامیاب مناظر بھی تھے. جنھوں نے آریہ سماجی پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کے اسلام کے خلاف حملوں اور اعتراضات کا ہزاروں کے مجمع میں منہ توڑ جواب دیا، اور ان مخالفین کو فرار کی راہ اختیار کرنی پڑی۔ آپ کا سب سے عظیم کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے تمام مذاہب عالم کے صحف میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئیاں اور آنحضرت صلعم کی زندگی کے حالات کا ذکر نکال کر ثابت کیا کہ ان مذاہب کے بانیوں اور پیشواؤں نے خود اپنے پیروؤں کو اس نبیؐ کو قبول کرنے کی تاکید کی تھی۔ اس طرح آپ نے دیگر ادیان کے متبعین کے دلوں میں آنحضرت صلعم کی محبت اور عظمت قائم کرنے کی ایک نئی راہ کھول دی۔ عالم اور مجاہد ہونے کے علاوہ آپ اعلے اخلاق کے مالک، ولی اللہ اور صاحب کشف والہام بھی تھے۔

حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب کی جس تصنیف نے آپ کو بین الاقوامی شہرت دی وہ آپ کی معرکہ آرار کتاب Muhammad in World Scriptures ہے (جس کا اردو میں نام "میثاق النبیین" ہے) جس میں آپ نے سالہا سال کی محنت اور تحقیق سے، سنسکرت، عبرانی وغیرہ زبانوں کا علم حاصل کر کے تمام مذاہب کی کتاب مقدسہ میں سے رسول کریم صلعم کے متعلق پیشگوئیوں کی کھوج لگائی ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اس نوعیت کی یہ پہلی تحقیق اور تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو میں اور بھی کتابیں لکھیں اور یجروید کا اردو میں ترجمہ کیا۔

اخبار "پیغام صلح" میں، پچپن (۵۵) سال سے زیادہ عرصہ میں آپ کے مضامین اور تقاریر شائع ہوتے رہے۔ ماہانہ رسالہ "روح اسلام" ۱۹۵۴ء میں جماعت احمدیہ لاہور کے بعض بزرگوں نے جاری کیا، اس کے مدیر اعزازی حضرت مولانا صاحب مقرر ہوئے۔ اس رسالے کے پہلے دس سال کے شماروں میں آپ کے نہایت قیمتی، اور سلسلہ وار مضامین شائع ہوئے، جن میں بعض تو مکمل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کے ان مضامین میں قرآن کریم اور علم دین کے وہ نئے حقائق و معارف پائے جاتے ہیں جو حضرت مولانا صاحب کا خاص حصہ ہیں۔ اس نوعیت کا مواد آپ کی شائع شدہ کتب میں شامل نہیں ہے، مگر تقاریر اور مضامین میں کثرت سے ایسا مواد موجود ہے۔ آپ کسی بھی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے، ایک چھوٹے سے چھوٹے نکتہ پر بھی قرآن کریم، بائیبل، وید، عربی، عبرانی، سنسکرت، علم الالسنہ، سائنس، فلسفہ، ان سب کی مدد سے روشنی ڈال کر علم اور ایمان افروز حقائق کا ایک دریا نکال لیتے ہیں۔

حضرت مولانا صاحب نے بعض آیات قرآنی، بالخصوص جو نظام کائنات سے متعلق ہیں، کی تائید میں سائنس کے علم کو بھی پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

"سائنس کی تاریخ درحقیقت انسانی عقل کی مسلسل غلطیوں کی داستان ہے۔ اس کے انکشافات کی بنا پر قرآن مجید کی تفسیر کرنا ایک خطرہ کو دعوت دینا ہے، تاہم یہ امر مسلم ہے کہ نیچر میں کوئی غلطی اور نقص نہیں۔ اس کے قوانین حق اور صداقت پر مبنی ہیں۔ غلطی ہمارے فکر کی اور قصور ہمارے فہم میں ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی شان لاریب فیہ ہے۔ غلطی ہمارے استنباط اور استدلال میں ہو سکتی ہے۔" (پیغام صلح، ٦ فروری ۱۹۴٦ء، ص ۵)

کتاب معارف الحق: اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ حضرت مولانا کے مضامین کو جو کہ علمی اور ایمان افروز حقائق کا ایک سمندر ہیں اور صداقت اسلام ثابت کرنے کے لئے تحریر کئے گئے تھے، کتابی صورت میں منظم طریق پر مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

پہلے تو مجھے مولانا صاحب مرحوم کے کاغذات میں رسالہ "روح اسلام" کے کئی شمارے اور چند ایک شائع شدہ مضامین دستیاب ہوئے۔ ان تمام مضامین کو کتابی شکل میں مرتب کیا گیا، مگر اس کتاب کی اشاعت میں بعض مشکلات کی بنا پر تاخیر ہوتی گئی اسی اثنا میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب، امیر جماعت احمدیہ لاہور، کی مدد سے اور انجمن کے لائبریرین قاضی عبدالاحد صاحب کی محنت شاقہ سے اخبار "پیغام صلح" کی فائلوں میں سے حضرت مولانا کے مضامین کی فوٹو کاپیاں حاصل ہو گئیں۔ اس سارے مواد کا جائزہ لے کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان تمام مضامین کو (مع ان کی جن کی اشاعت ملتوی ہو گئی تھی) بلحاظ موضوع ترتیب دے کر علیحدہ علیحدہ جلدوں میں شائع کیا جائے۔

چنانچہ اس مجموعہ کی ابتدا تفسیر سورۃ فاتحہ سے کی جا رہی ہے جو رسالہ "روح اسلام" میں قسط وار شائع ہوئی، گو وہ **مالک یوم الدین**، تک پہنچ کر یہ تفسیر نا تمام رہ گئی تھی۔ لیکن پھر بھی اس میں متعدد دیگر قرآنی آیات کی تفسیر موجود ہے۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی کی خدمات اسلامی، جو آپ نے کتب، مضامین، تقاریر اور مناظرات کے ذریعہ سرانجام دیں، ان کے اعتراف کرنے والوں کی کثیر تعداد ہے اور ان کا تعلق مختلف فرقوں اور مسلکوں اور مذاہب سے بھی ہے۔ مگر ان میں سے اکثر کو اس بات کا علم نہیں کہ مولانا صاحب اپنے تمام کام کو حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ مجدد وقت و بانی سلسلہ احمدیہ، کا فیض قرار دیتے تھے اور انہی کے مشن کی تکمیل سمجھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے

تھے کہ آپ کو غیر مذاہب کے اسلام پر حملوں کو پسپا کرنے میں جو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی، جب کہ دیگر مسلمانوں کے فرقوں اور جماعتوں کے علماء بے بس ہو چکے تھے، وہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ثبوت ہے۔

موجودہ دور میں بہت لوگ ایسے ہیں جو پھل کے عمدہ اور نیک ہونے کا تو اعتراف خوشی سے کرتے ہیں، مگر کسی بنا پر اس کے درخت اور اس کی جڑ کو خراب اور ناقص سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ حضرت مولانا صاحب نے جو حضرت مرزا صاحب کے مقام اور کام کے متعلق لکھا اس کو پیش کیا جائے۔

جب آپ کی مشہور انگریزی کتاب Muhammad in World Scriptures کا دوسرا ایڈیشن تین جلدوں میں اشاعت کے لئے تیار ہو گیا تو آپ نے "پیغام صلح" میں اس کے متعلق مضمون لکھا جس کا آغاز کچھ یوں کیا۔

"حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی سب سے پہلی تصنیف لطیف "براہین احمدیہ" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق دعوے پر ۳۰۰ دلائل دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ نے اس کتاب کو چار جلدوں میں شائع کیا جس میں دنیا کے تمام علماء مذاہب کو مخاطب فرما کر قرآن مجید کو بے نظیر کتاب اور آنحضرت صلعم کا معجزہ عظمیٰ اور آپ کے صدق دعوے پر برہان بینہ قرار دیا۔ یہ کتاب اپنی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے ایک بے نظیر تصنیف ہے اور حضرت مرزا صاحب کے خداداد علم اور اس صدی کا مجدد ہونے کی روشن دلیل ہے۔ یہ اصل کام ہے جو جماعت احمدیہ کی ساری کوششوں کا مرکز اور محور ہونا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کیا جائے گا وہ حضرت مسیح موعود کے نام پر معنون اور آپ ہی کا فیضان اور کام سمجھا جائے گا۔ "براہین احمدیہ" وہ کتاب تھی جس نے علماء زمانہ سے خراج تحسین وصول کیا اور یہی وہ کتاب تھی جسے پڑھ کر میرے والد مرحوم حضرت مرزا صاحبؒ کے گرویدہ اور آپ کی بیعت کرنے کے مشتاق ہو گئے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو اسی چشمۂ معرفت سے پانی پیا۔ آریوں اور عیسائیوں کے چوٹی کے علماء سے کامیاب مناظرے اور مباحثے کئے۔" (پیغام صلح، مورخہ ۲۷ دسمبر، ۱۹۶۷ء، ص ۷)

اس کے بعد آپ اپنی کتاب کا تعارف کرواتے ہیں، اور اس میں، براہین احمدیہ کی طرز پر، رسول کریم صلعم کی صداقت پر دلائل کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں۔

اسی طرح جب آپ نے ایک مرتبہ "پیغام صلح" میں صداقت قرآن مجید پر ایک سلسلہ مضامین تحریر کرنا شروع کیا، جس کا ابتدائی حصہ اس کتاب "معارف الحق" کے باب اول میں شامل ہے، تو اس کے آغاز میں لکھتے ہیں۔

"مجدد وقت نے اپنی سب سے پہلی تالیف "براہین احمدیہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی جو رسم پیدا کی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ حضور رسالتمآبؐ سے قرآن مجید کے واسطے سے عشق کیا جائے۔ مسیح موعود کی صداقت کے دلائل کثرت سے ہیں، مگر حضرت مرزا صاحب کا عشق قرآن ان کے صدق دعویٰ پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ حقائق و معارف قرآنیہ کا ایک ناقابل تردید مرقع "براہین احمدیہ" جیسی بے مثل کتاب تھی اور اسی مشکوٰۃ نبوت کی تجلی ان کی متعدد تصانیف میں جلوہ گر ہے۔ اسی کی ذیل میں ایک سعی ناتمام عنوان بالا (یعنی "قرآن مجید، بائیبل اور وید پر ایک نظر" - ناقل) کے ماتحت کی گئی ہے۔" (پیغام صلح، مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۳۷ء، ص ۷)۔

اس کتاب کے باب ششم کا وہ حصہ جو عنوان "قرآن مجید میں رنگوں کا فلسفہ سے لے کر آخر تک ہے، "پیغام صلح" کے جس سلسلہ مضامین سے اخذ کیا گیا ہے، اس کی ابتدا ہی میں مولانا صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"علماء امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے حقائق اور معارف قیامت تک کھلتے رہیں گے۔ یہ امر بھی ظاہر ہے کہ آیت لا یمسہ الا المطھرون کی نص صریح کی رو سے جس شخص پر ان معارف قرآنیہ کا کثرت سے انکشاف ہو وہ شخص کافر نہیں ہو سکتا۔ امت مسلمہ کی ساری تاریخ ایسا شخص پیش کرنے سے قاصر ہے جو کثرت سے قرآن مجید پڑھتا ہو اور جس کا وظیفہ زندگی محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت اور قرآن مجید کی حقیقت ایسے دلائل اور براہین سے ثابت کرنا جس کی نظیر علماء سلف اور اس کے ہم عصر علماء میں نہ پائی جاتی ہو ہمارے اس زمانہ میں بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم، مرزا غلام احمد ہی وہ شخص ہے جس نے قرآن مجید کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ عشق کا اظہار کیا۔ آپ نے اپنی سب سے پہلی تالیف براہین احمدیہ میں آنحضرت صلعم کی صداقت پر جو دلائل اور براہین قرآن مجید سے پیش کئے ہیں وہ معارف قرآنیہ کا ایک روشن باب ہے۔ اس کے بعد بھی آپ نے اپنی دوسری کتب میں ان موتیوں کو جگہ جگہ بکھیرا ہے۔ کاش مسلمان مخالف علماء کی کتب پڑھنے کی بجائے خود حضرت مرزا صاحب کی کتب کا مطالعہ کرتے اور ان کے بارے میں انصاف کرتے۔ براہین احمدیہ میں یہ دعویٰ کہ ۳۰۰ دلائل اس قسم کے پیش کئے جائیں گے کسی مصلحت ربی سے پورا نہ ہوا۔ اگر حضرت صاحب معارف قرآن مجید اور دلائل و براہین صداقت رسول اللہ صلعم کو ختم کر جاتے تو ہمیں تلاش و جستجو کی لذت سے محروم کر دیتے بلکہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ اظہار عشق کی راہ بھی مسدود کر جاتے۔ مگر یہ لوگ انسان کے غور و فکر پر مہر لگانے کے لئے نہیں بلکہ انسے زیادہ تیز اور مجلیٰ کرنے کے لئے آتے ہیں۔" (پیغام صلح، ۶ فروری ۱۹۴۶ء، ص ۵)

ایک مرتبہ حضرت مولانا صاحب نے اپنے علمی مضامین کی اشاعت کے انتظام کے لئے ایک مالی پیش کش کا اعلان اخبار "پیغام صلح" میں کیا، اور اس کے آخر میں لکھا۔

"اس سلسلہ مضامین کا مقصد براہین احمدیہ کی تکمیل ہے۔"

(مورخہ یکم مئی ۱۹۶۸ء، ص ۴)

اس لئے مناسب ہو گا اگر کتاب ہذا کا دوسرا عنوان تکمیل براھین احمدیہ سمجھا جائے۔

امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے مضامین اور مقالات کو "معارف الحق" کی جلدوں کی صورت میں شائع کرنے کا کام جاری رہے گا۔ یہاں میں جناب عبدالرزاق صاحب بمبئی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جن کی محنت سے یہ کتاب طباعت و اشاعت کے مراحل سے گذری۔

۔(ڈاکٹر زاہد عزیز۔ انگلستان)